

صحاح ستہ
اور ان کے مصنفین

امتیازات و خصوصیات



بلال عبدالرحمن حسنی ندوی



سٹیٹل احیاء و ترمیم ایگسٹی
دارعترفات، تھکینہ، کلان، ریلوے سٹیٹن

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ

طبع اول

ذی القعدہ ۲۶ ۱۴۳۶ھ مطابق اگست ۲۰۱۵ء

نام کتاب : صحاح ستہ اور ان کے مصنفین
————— امتیازات اور خصوصیات
مصنف : بلال عبدالحی حسنی ندوی
تعداد اشاعت : ۱۰۰۰
Rs. 80/-
صفحات : ۱۳۴
کیپوزنگ : عرفات کمپیوٹر سینٹر (محمد ارمان بدایونی)

باہتمام: محمد نفیس خاں ندوی

ملنے کے پتے :

مجلس تحقیقات و نشریات اسلام، ندوۃ العلماء، لکھنؤ
☆ ابراہیم بک ڈپو، مدرسہ ضیاء العلوم رائے بریلی ☆ مکتبہ اسلام، گون روڈ، لکھنؤ
☆ مکتبہ الشباب العلمیہ، ندوہ روڈ، لکھنؤ

ناشر :

سیّد احمد شہید اکیڈمی

دار عرفات، نکیہ کلاں، رائے بریلی (یوپی)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

فہرست

- ۹ مقدمہ
..... ۱۲ پیش لفظ

باب اول

تدوین حدیث ایک جائزہ

عہد رسالت سے صحاح ستہ کی تدوین تک

- ۱۴ سابقہ ادیان و مذاہب میں تحریف
..... ۱۵ آخری دین اور یہودی مکرو فریب
..... ۱۸ دین کے دو بنیادی ستون
..... ۲۱ دین کے حاملین اولین اور حفاظت دین
..... ۲۵ منافقین اور یہودیوں کی ساز باز
..... ۲۶ حضرت عمر بن عبدالعزیز اور تدوین حدیث
..... ۲۹ امام زہری رحمۃ اللہ علیہ
..... ۳۴ دوسری صدی کی تصنیفات
..... ۳۷ تیسری صدی تدوین حدیث کا سنہری دور
..... ۴۰ فن اسما الرجال
..... ۴۳ صحاح ستہ کی اصطلاح تاریخ کی روشنی میں

باب دوم

صحاح ستہ اور ان کے مصنفین

امام بخاریؒ

۵۰	والد ماجد.....
۵۰	ولادت اور بچپن.....
۵۱	طلب علم کے لیے اسفار.....
۵۱	حصول علم میں انہماک.....
۵۳	مقبولیت اور رجوع عام.....
۵۵	خصال حمیدہ.....
۵۷	آزمائش.....
۵۸	وفات.....
۵۹	تصنیفات.....

صحیح بخاری

۶۰	سبب تالیف.....
۶۱	تصنیف کتاب، امام صاحب کا اہتمام.....
۶۲	خصوصیات و امتیازات.....
۶۳	تراجم ابواب.....
۶۶	ائمہ کا اعتراف و تحسین.....
۶۷	تلقی بالقبول.....

۶۸ شروع و حواشی

امام مسلمؒ

- ۶۹ ولادت اور نام و نسب
 ۷۰ تحصیل علم اور اس کے لیے اسفار
 ۷۰ امام بخاری سے استفادہ
 ۷۱ تجارت
 ۷۲ علم میں انہماک
 ۷۲ وفات
 ۷۲ ائمہ کا خراج تحسین
 ۷۴ تصنیفات

صحیح مسلم

- ۷۷ امام ابو زرعہ رازی کی خدمت میں
 ۷۸ ایک غلط فہمی کا ازالہ
 ۸۰ کتاب کی خصوصیات
 ۸۱ ائمہ کا اعتراف

امام ترمذیؒ

- ۸۳ ترمذ
 ۸۴ ولادت اور نام و نسب
 ۸۴ حصول علم اور اس کے لیے اسفار
 ۸۵ قوت حفظ

۸۶ تعلقہ
۸۷ ائمہ کا خراج تحسین
۸۸ وفات
۸۹ تصنیفات

سنن الترمذی

۹۳ شروحات
----	--------------

امام ابو داؤد

۹۵ ولادت اور نام و نسب
۹۵ طلب علم
۹۶ مشائخ
۹۶ امام احمد سے استفادہ
۹۸ علمی مقام
۹۹ زہد و احتیاط اور محبوبیت
۱۰۱ علماء کا خراج تحسین
۱۰۲ وفات
۱۰۲ تصنیفات

سنن ابی داؤد

۱۰۶ علماء کا خراج تحسین
۱۰۹ شروحات اور متعلقات

امام نسائی

- ۱۱۱ ولادت اور نام و نسب
- ۱۱۱ تعلیم
- ۱۱۲ علمی اسفار
- ۱۱۲ مصر میں قیام
- ۱۱۳ ائمہ کبار اور معاصرین کا اعتراف
- ۱۱۵ علمی احتیاط
- ۱۱۶ زہد و تقویٰ
- ۱۱۷ آزمائش اور وفات
- ۱۱۸ حلیہ اور ازواج و اولاد
- ۱۱۸ تصنیفات

المجتبیٰ

- ۱۲۰ علماء کا خراجِ تحسین
- ۱۲۲ شروح و تعلیقات

امام ابن ماجہؒ

- ۱۲۳ نام و نسب
- ۱۲۳ ولادت
- ۱۲۳ تحصیل علم
- ۱۲۵ وفات
- ۱۲۶ ائمہ کا خراجِ تحسین

تصانیف ۱۲۷

سنن ابن ماجہ

صحاح ستہ میں ابن ماجہ کی شمولیت ۱۲۹

صحاح ستہ میں سنن ابن ماجہ کا درجہ ۱۳۰

باب سوم

ماہ الا امتیاز خصوصیات

صحیح روایت ۱۳۲

جامعیت ۱۳۵

حسن ترتیب ۱۳۶

علو سند ۱۳۸

تعداد روایات ۱۳۹

تراجم ابواب ۱۳۹

تلقی بالقول ۱۴۱

خلاصہ کلام ۱۴۲

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

مقدمہ

مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی
(معمد تعلیم ندوۃ العلماء، لکھنؤ)

الحمد لله رب العالمين، والصلاة والسلام على سيد المرسلين
وخاتم النبيين محمد بن عبد الله الأمين، وعلى آله وصحبه أجمعين وبعد۔
دینی مدارس میں خاص طور سے جہاں دورہ حدیث تک تعلیم ہوتی ہے، صحاح
ستہ سے مرور کا التزام ہے، دورہ کے لفظ سے ظاہر ہے کہ اس کا مقصد ان ساری بنیادی
کتابوں سے واقف کرانا ہے، ان میں سے بعض کتابوں میں فن حدیث پر تفصیل سے
بحث کی جاتی ہے، باقی کتابوں کے منتخب ابواب پر توجہ دی جاتی ہے، بقیہ میں کوئی اہم
مسئلہ ہو تو اس پر بحث کی جاتی ہے، اس میں فقہی مسلک کی تائید اور دوسرے مسلک کی
تردید، فرقے جو مختلف زمانوں میں علمی، فکری اور سیاسی عوامل کی وجہ سے پیدا ہوئے
، ان کی تردید یا توضیح اور حدیث کی وضاحت کی جاتی ہے، رواۃ حدیث پر بحث حدیث
کی تمام کتابوں کا بنیادی حصہ ہے، اس پر کافی وقت صرف ہوتا ہے۔
حدیث کی تعلیم میں ان سارے عناصر کا حق ادا کرنے کے لیے ایک سال
نا کافی ہے۔

مصنف کتاب، اس کا عصر، تدوین حدیث کی اہمیت، انتخاب حدیث،

ترتیب، اور صحیح اختیار و انتخاب پر بحث کرنے اور طالب علم کو ان سب سے واقف کرانے کا اس میں وقت کم ملتا ہے، مدارس کی کثرت اور دورہ کا عموم ہو گیا ہے، ہر مدرسہ کے لیے ایسے باصلاحیت اساتذہ مہیا کرنا ممکن نہیں، اس کے ساتھ ساتھ اساتذہ حدیث کی دوسری علمی، تعلیمی اور دعوتی مصروفیات بھی ہوتی ہیں، جن کی وجہ سے وقت نہیں ملتا کہ وہ حدیث کے ساتھ تاریخ، جغرافیہ، افکار و نظریات اور مذاہب و مسالک سے واقفیت حاصل کر سکیں، خاص طور پر عربی زبان و ادب اور کلام رسول کے جمال ادبی اور لغوی و ادبی خصوصیات سے واقف ہو سکیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے

”انا أفصح العرب بید اُنی من قریش وریبیت فی بنی سعد“

صحاح ستہ کی تعلیم میں ایک اہم پہلو مختلف مصنفین حدیث کا منہج انتخاب و

اختیار، زمانہ اور سبب تالیف ہے۔

فاریخین مدارس ان تمام پہلوؤں سے واقف نہیں ہوتے، حتیٰ کہ تدوین حدیث جو اہم ترین موضوع ہے اور اس پر مستشرقین نے بڑے شبہات پیدا کیے ہیں، اس سے بھی واقف نہیں ہوتے، قرآن کریم کے بعد حدیث کی اہمیت و ضرورت جو اس عصر کا اہم مسئلہ بن گیا ہے۔

ان موضوعات پر علماء نے تفصیلی کتابیں لکھی ہیں، تدوین حدیث اور محدثین کی خدمات کے تعارف پر متعدد اہل قلم کی عربی اور اردو میں کتابیں ہیں، اس طرح تدوین حدیث پر تفصیلی تصانیف بھی مہیا ہیں، لیکن طلبہ کے لیے ان سے واقفیت اور استفادہ مشکل ہوتا ہے۔

مولوی بلال عبدالحی حسنی ندوی نے جو مدرسہ ضیاء العلوم (میدان پور، رائے بریلی) میں عرصہ سے درس حدیث شریف کی ذمہ داری انجام دے رہے ہیں اور تاریخ اسلام اور علمی اور فکری تاریخ سے بھی گہری واقفیت رکھتے ہیں، ضرورت محسوس کی کہ ایک مختصر کتاب تیار کی جائے جو ان سارے پہلوؤں پر مشتمل ہو، انہوں نے تدوین

حدیث کے بنیادی موضوع ہونے کے ساتھ صحاح ستہ کے مصنفین کا تعارف، ان کی کتابوں کا منج اور امتیاز اور دوسری کتابوں سے ان کا تقابل کرانے کے لیے یہ رسالہ تیار کیا، جو طلبہ حدیث کے لیے گائڈ کی حیثیت رکھتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ فارغین مدارس سے گفتگو کرتے وقت اس کمزوری کا اس حقیر کو کئی بار اندازہ ہوا کہ بعض طلبہ موطا، بخاری اور مسلم جیسی بنیادی کتابوں کے فروق سے واقفیت نہیں رکھتے، انکار حدیث کے اس دور میں اس کی شدید ضرورت ہے کہ حدیث کی اہمیت اور اس کے شریعت اسلامیہ کے مصدر ثانی ہونے پر توجہ کی جائے، امید ہے کہ یہ رسالہ حدیث شریف کی ایک اہم خدمت ثابت ہوگا۔

محمد واضح رشید حسنی ندوی
۱۰ اشوال المکرم ۱۴۳۶ھ
ندوة العلماء، لکھنؤ

پیش لفظ

کئی سال پہلے کی بات ہے ایک روز عم محترم مولانا سید محمد واضح رشید ندوی مدظلہ نے فرمایا کہ اردو میں کوئی ایسی مختصر کتاب ہونی چاہیے جس میں صحاح ستہ کا تعارف اور خاص طور پر اس کی ماہ الامتیاز خصوصیات کا تذکرہ ہو، مولانا کی بات دل کو لگی اور اسی روز شام میں راقم قلم لے کر بیٹھ گیا اور شاید مولانا کے حکم کی برکت تھی کہ ایک ہی نشست میں ابتدائی مضمون کا بڑا حصہ قلمبند ہو گیا، لیکن اس کے بعد کچھ مشغولیت اور کچھ اپنی کوتاہی کہ وہ کام وہیں کا وہیں رہ گیا، عرصہ کے بعد دار عرفات سے سہ ماہی ”تعمیر افکار“ کلکتا شروع ہوا اس میں قسط وار ”صحاح ستہ اور ان کے مصنفین“ پر لکھنے کا موقع ملا، اس طرح بڑی حد تک یہ رسالہ تیار ہو گیا، البتہ اصل موضوع جو ان کی خصوصیات و امتیازات سے متعلق تھا وہ تشنہ تھا، ”تعمیر افکار“ کے بند ہونے کے عرصہ کے بعد اس کی تکمیل کی نوبت آئی، اب الحمد للہ یہ رسالہ ناظرین کے سامنے ہے۔

اس موضوع پر عربی میں خاص طور پر اردو میں بھی خاصا کام ہوا ہے اور بڑی محققانہ اور فاضلانہ کتابیں سامنے آچکی ہیں، یہ ایک ”عجالہ نافعہ“ ہے، اردو داں حضرات کے لیے اور علوم حدیث کے متوسط درجہ کے طلبہ کے لیے۔

صحاح ستہ کے مصنفین ایک طرف بلند پایہ اصحاب فن، علوم حدیث کے لیے سرمایہ افتخار، علماء و ائمہ میں سے ہیں، تو دوسری طرف ایمان و یقین، عزم و توکل،

طہارت و تقویٰ اور زہد و ورع کے بھی اس بلند معیار پر ہیں کہ وہ اپنے وقت کے کبار مشائخ اور اہل اللہ میں شامل ہیں، ان کے حالات زندگی اپنے اندر بڑا اثر رکھتے ہیں اور ان کو مطالعہ میں رکھنے والا متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا، اس حیثیت سے بھی یہ رسالہ امید ہے کہ مفید ثابت ہوگا۔

عم خادم و معظم مدظلہ نے راقم کی درخواست پر مقدمہ تحریر فرمایا جس سے کتاب کی وقعت میں اضافہ ہوا، اللہ تعالیٰ صحت و عافیت کے ساتھ ان کی عمر میں برکت عطا فرمائے۔

راقم خاص طور پر عزیز می مولوی محمد ارمغان ندوی سلمہ کا مشکور اور ان کے لیے دعا گو ہے کہ انہوں نے اس کو اشاعت کے قابل بنانے کے لیے بڑی فکر کی، پروف دیکھے اور اگر کہیں مراجعت کی ضرورت پیش آئی تو اس کے لیے بھی انہوں نے محنت کی، اسی طرح عزیز مکرم مولوی طلحہ نعمت ندوی بھی شکر یہ کے مستحق ہیں کہ انہوں نے بھی اس سلسلہ میں تعاون کیا، عزیز گرامی مولوی محمد نفیس ندوی سلمہ نے طباعت کی ذمہ داری سنبھالی، اللہ تعالیٰ ان سب عزیزوں کو جزائے خیر عطا فرمائے، اور کتاب کو قبول فرمائے اور مفید بنائے۔

بذال عبدالحی حسنی ندوی

۲۸ شعبان المعظم ۱۴۳۶ھ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

باب اول

تدوین حدیث ایک جائزہ عہد رسالت سے صحاح ستہ کی تدوین تک

سابقہ ادیان و مذاہب میں تحریف

تمام مذاہب و ادیان مٹ چکے، نہ ان کی کتابیں اصل شکل میں باقی ہیں، اور نہ ہی ان کے احکامات اور تعلیمات اس شکل میں موجود ہیں جو ان کے اولین حاملین کو ملی تھیں، جو مذاہب آسمانی کہلاتے ہیں ان کے پاس آسمانی تعلیمات کا عشرِ عشر بھی باقی نہیں رہا، ان کی وہ آسمانی کتابیں جن کا تذکرہ قرآن مجید میں کیا گیا ہے اس حالت میں پہنچ چکی ہیں کہ ان کو آسمانی کتابیں قرار دینا مشکل معلوم ہوتا ہے، اس کے کسی ایک جزء کو بھی قطعیت کے ساتھ آسمانی نہیں قرار دیا جاسکتا، انسانی ہاتھوں نے اسے دردی کے ساتھ ان پر عمل جراحی کیا کہ ان کی اصل شکلیں ہی مسخ ہو کر رہ گئیں، اور بجائے کلام الہی کے انسانی کلام کا حصہ بن گئیں، ہر ہر دور میں ذاتی مصلحتوں اور قومی ضرورتوں کے پیش نظر ان میں تبدیلی کی جاتی رہی۔

عیسائیت جس کو اس وقت دنیا کا سب سے بڑا مذہب بتایا جاتا ہے اور اس کے

ماننے والوں کی تعداد سب سے زیادہ شمار کی جاتی ہے، سینٹ پال کا تصنیف کردہ مذہب ہے جو ایک یہودی سازشی ذہن رکھنے والا انسان تھا، اور صرف اسی لیے اس نے عیسائیت کا لبادہ اوڑھا تھا کہ وہ عیسائیت کو نبی و بن سے اکھاڑ چھینکے، اس میں اس نے کامیابی حاصل کی، اور جس طرح یہودیوں نے اپنے نبیوں کو شہید کیا، ان کے سروں پر آرے چلائے اور اپنے دین کو اپنی خواہشات کے تابع بنایا، اسی طرح انہوں نے عیسائیت کو بھی نہیں بخشا اور ایک پوری سازش رچا کر انہوں نے اس کی اس طرح تحریف کر دی کہ آج کوئی عیسائی بھی اپنی حقیقت سے واقف نہیں ہے، ان کی دینی بے جہتگی کی انتہا یہ ہے کہ وہ حضرت عیسیٰ جن کو وہ بزعم خود خدا کا بیٹا کہتے ہیں، ان کے قاتلوں کو انہوں نے معاف کر دیا، ان کا عقیدہ یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ کو سولی دی گئی اور وہ یہ بھی جانتے ہیں کہ سولی دینے والے یہودی تھے، مگر ان کے مقدس ترین شہر دیکلن سٹی نے یہودیوں کے اس جرم کو بھی معاف کر دیا۔

آخری دین اور یہودی مکر و فریب

یہودیوں کا خیال یہ تھا کہ آخری نبی کی بعثت ان ہی میں ہوگی وہ اکثر و بیشتر یثرب کے باشندوں سے کہا کرتے تھے کہ جب وہ نبی آجائے گا پھر ہم تم سے نمٹ لیں گے، اور اس کی صفات جو انہوں نے تورات میں دیکھی تھیں اوس و خزرج کے سامنے بیان کرتے تھے، اسی لیے جب یہ قبائل حج کرنے کے لیے مکہ مکرمہ آئے اور آنحضرت ﷺ نے ان کو دعوت پیش کی تو وہ فوراً سمجھ گئے کہ یہ وہی نبی ہیں جن کا تذکرہ یہودی ہم سے کرتے رہتے ہیں، انہوں نے فیصلہ کر لیا کہ اس خیر کو حاصل کرنے میں ان کے لیے تاخیر مناسب نہیں ہے، اسی وقت انہوں نے اس دعوت پر لبیک کہی اور مسلمان ہو گئے، پھر دوسرے تیسرے سال یہ تعداد بڑھتی گئی یہاں تک کہ آپ ﷺ نے حضرت مصعب رضی اللہ عنہ کو مدینہ منورہ تعلیم دینے کے لیے بھیجا، کچھ

ہی عرصہ میں دونوں قبائل مسلمان ہو گئے، پھر ان حضرات کی دعوت پر صحابہ نے ہجرت شروع کی، جب اللہ کے حکم سے آپ ﷺ نے ہجرت کی تو ان یہودیوں کو اندازہ ہو گیا کہ آپ ہی وہ نبی موعود ہیں جن کا تورات میں تذکرہ ہے، پھر مزید علاقوں تک دیکھ کر ان کو یقین ہو گیا کہ آپ ہی آخری نبی ہیں، لیکن خود کو خدا کا بیٹا اور محبوب بتانے والے اپنی بڑائی کے نشے میں چور، نخوت کے مزاج میں ڈھلے ہوئے کیسے کسی کی تابعداری قبول کرتے، قرآن مجید یہاں تک گواہی دیتا ہے ﴿يَعْرِفُونَهُ كَمَا يَعْرِفُونَ أَبْنَاءَهُمْ﴾ (البقرة: ۱۷۶) وہ آپ ﷺ کو اس طرح پہچانتے ہیں جس طرح اپنی اولاد کو جانتے ہیں، ان کے سینے پر سانپ لوٹ گئے، اور بجائے اس کے کہ وہ اس خیر کو قبول کرتے انہوں نے اسی دن طے کر لیا کہ کسی طرح اس دین کو مٹانا ہے، یہ کیسا غضب ہوا کہ نبی ان میں مبعوث نہیں ہوا، گویا اللہ کو انہوں نے اپنا تابعدار سمجھا اور یہ سوچ لیا کہ یہ غلط فیصلہ کیسے لیا گیا، پہلے بھی وہ اپنے نبیوں کے ساتھ کیا کیا سلوک کر چکے تھے انہوں نے اسی لیے یہ کوشش کی کہ آنحضرت ﷺ کو بھی کسی طرح شہید کر دیں۔

ایک مرتبہ آپ ﷺ قیقاع کے محلہ میں ایک ضرورت سے تشریف لے گئے، انہوں نے خفیہ سازش کی، اور آپ ﷺ کو ایک دیوار کے نیچے بٹھا دیا، ابن جحاش نامی ایک یہودی چھت پر ایک بھاری پتھر لے کر گیا کہ آپ کا کام تمام کر دے، لیکن آپ کو وحی سے اس کا علم ہو گیا اور آپ بحفاظت وہاں سے تشریف لے آئے۔ (۱)

اسی طرح ایک مرتبہ سلام بن مشکم یہودی کی بیوی بھنا گوشت لے کر خدمت میں آئی، اس میں اس نے زہر ملا رکھا تھا، آپ ﷺ نے اس میں سے کچھ تناول فرمانا چاہا لیکن اللہ کے حکم سے آپ کو اس کا علم ہو گیا اور آپ نے ہاتھ روک لیا، ایک صحابی نے کچھ تناول فرمایا تھا تو وہ جانبر نہ ہو سکے۔ (۲)

یہ سازشیں کامیاب نہ ہو سکیں تو انہوں نے انصار و مہاجرین میں انتشار پیدا

کرنے کی کئی مرتبہ کوششیں کیں، اس کے علاوہ مسلمان عورتوں کو بے عزت کیا اور بھی جو تدبیر ہو سکی انہوں نے کی، اخیر میں انہوں نے سمجھ لیا کہ آنحضرت ﷺ کی حیات طیبہ میں وہ کوئی ایسا کام نہیں کر سکتے جس میں ان کو پوری کامیابی مل سکے، وہ انتظار میں رہے آپ ﷺ کی وفات کے بعد انہوں نے پھر سراٹھانا چاہا لیکن ثبات صدیقی اور جلال فاروقی کے سامنے بھی وہ نہ ٹھہر سکے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور میں مملکت اسلامیہ کے حدود بہت وسیع ہو چکے تھے، اور ہر طرح کے لوگ دین میں داخل ہو رہے تھے، اس وقت انہوں نے وہ حربہ استعمال کیا جو وہ عیسائیت کو ختم کرنے کے لیے پہلے کر چکے تھے اور اس میں ان کو زبردست کامیابی ملی تھی، انہوں نے عبداللہ بن سنان نامی یہودی کو کھڑا کیا اس نے اور اس کے بعض ساتھیوں نے ظاہری طور پر اسلام قبول کیا، پھر مختلف ملکوں کا دورہ کر کے اندازہ کیا کہ کہاں سے کام شروع کیا جاسکتا ہے، انہوں نے گمراہی اور انحراف کی ان مختلف شکلوں کا جائزہ لیا جن کو عام کیا جاسکتا ہو، اور لوگ اس کو آسانی سے قبول کر لیں، وہ اور اس کے کارندے مختلف علاقوں میں پھیل گئے اور انہوں نے اندرون خانہ رہ کر بنیادوں کو کھوکھلا کرنے کی پلاننگ کی، ایک طرف انہوں نے غلط عقائد کو پھیلانے کی کوشش کی، اور دوسری طرف خلافت میں شکاف ڈالنے کے لیے یہ تدبیر کی کہ لوگوں میں حضرت علی کو وحی بتا کر خلافت کا مستحق قرار دیا، اور حضرت عثمان پر طرح طرح کے الزامات لگائے، اس میں ان کو کسی حد تک کامیابی ضرور ملی کہ مسلمانوں میں انتشار پیدا ہو گیا اور خلافت کی مستحکم عمارت میں ایسا شکاف پڑ گیا جو بھرانہ جاسکا، لیکن دین کو مسخ کرنے کی جو پلاننگ انہوں نے کی تھی اس میں وہ کامیاب نہ ہو سکے، امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے:

”یہودی عبداللہ بن سبا کی کوشش یہ تھی کہ اسلام کو جڑ سے اکھاڑ کر پھینک دیا جائے اور اس کی اس طرح تحریف کر دی جائے جیسی تحریف سینٹ پال (Saint Paul) یہودی نے عیسائیت کی کی تھی۔“

عیسائیت کے لیے بقاء کا فیصلہ نہ تھا، وہ ختم ہو گئی، لیکن اسلام کو اللہ تعالیٰ نے قیامت تک کے لیے منتخب کیا تھا اور ”رضیت لکم الاسلام دینا“ کی مہر اس پر لگادی گئی تھی اس لیے یہ سازش کامیاب نہ ہو سکی، مگر اہیوں کے بعض گروہ ضرور وجود میں آگئے لیکن امت حق پر قائم رہی“ (۱)

دین کے دو بنیادی ستون

قرآن و حدیث دین و شریعت کے دو ایسے ستون ہیں جن پر یہ پوری عمارت قائم ہے، قرآن کریم کا ایک ایک لفظ آنحضرت ﷺ نے املا کرایا، اور بیسیوں صحابہ نے اس کے نوشتے محفوظ کر لیے، اس کے علاوہ سینکڑوں وہ صحابہ بھی تھے جن کے سینے میں ایک ایک لفظ محفوظ تھا، اس لیے اعداء دین اس سے مایوس ہو گئے، کہ اس کے اندر لفظی تحریف کریں، تو انہوں نے اس میں معنوی طور پر تحریف کی کوشش کی، اور مختلف آیات میں اپنی ذہنی اختراع سے ایسے معانی پیدا کئے جن سے اسلام کے مسلمہ اصول و عقائد پر ضرب پڑے، اور انحراف کا دروازہ کھل سکے، اس کے لیے ان دشمنوں نے جو اسلام ہی کا لبادہ اوڑھے ہوئے تھے پوری کوشش کی اور اس کے نتیجے ہی میں مختلف فرقہ ضالہ وجود میں آئے، قرآن مجید کی معنوی تحریف کے لیے سب سے بڑی رکاوٹ حدیث رسول ﷺ تھی، جو معانی قرآن کی توضیح و تفسیر کا سب سے بڑا سرچشمہ ہے، اور اس میں دین کا وہ بہت بڑا حصہ ہے جس کی تفصیل قرآن مجید میں نہیں بیان کی گئی ہے، یہی وجہ ہے کہ باطل فرقوں نے ہر زمانہ میں حدیث کو اپنا نشانہ بنایا ہے، آنحضرت ﷺ نے اس کی پیش گوئی بھی فرمائی ہے، ایک طرف ارشاد گرامی ہے ”الا انسی اوتیت الكتاب ومثله معه، الا انی اوتیت الكتاب ومثله معه“ (اچھی طرح سن لو کہ مجھے کتاب دی گئی ہے اور اسی کے مثل اور بھی چیزیں ہیں، مجھے قرآن

(۱) المفصل فی الرد علی شبہات اعداء الاسلام، ص: ۳۸

مجید ملا ہے اور اس کے مثل مزید دیا گیا ہے) (۱)

ساتھ ہی ساتھ یہ پیش گوئی بھی ہے ”الانسی أوتیت الكتاب ومثله معه، ألا یوشک رجل شعبان علی أریکنه یقول علیکم بهذا القرآن فما وجدتم فیہ من حلال فأحلوه وما وجدتم فیہ من حرام فحرموه ألا لا یحل لکم لحم الحمار الأهلی ولا کل ذی ناب من السبع، ولا لقطۃ معاهد الا أن یتغنی عنها صاحبها ومن نزل بقوم فعلیہم أن یقرؤہ فان لم یقرؤہ فله أن یعقبہم بمثل قرأه“ (۲) (سن لوجھ کو کتاب اور اس کے مثل عطا کیا گیا ہے، خیر دارر، وغیر قریب ایسا شخص بھی ہوگا جو متکبرانہ انداز میں آسودہ حال ہو کر فیک لگائے ہوئے یہ کہے گا بس تمہیں قرآن کافی ہے، اس میں جو حلال ہے اس کو حلال سمجھو، اور اس میں جن چیزوں کو حرام کیا گیا ہے اس کو حرام قرار دو، اچھی طرح سن لو کہ تمہارے لیے پالتو گدھا جائز نہیں اور نہ پھاڑنے والے درندے جائز ہیں، اور نہ ہی کسی معاہدہ کا گراہو سامان اٹھانا جائز ہے الا یہ کہ وہ اس سے بے نیاز ہو، اور جو کسی قوم کے پاس ٹھہرے تو اس کے ذمہ اس کی مہمان نوازی ہے لیکن اگر کوئی ایسا نہ کرے تو اس کو چاہیے کہ ان کو اسی کے بقدر سزا دے)

یہ بھی آنحضرت ﷺ کا معجزہ ہے کہ آپ ﷺ کی پوری زندگی آپ کے ارشادات، تعلیمات، نشست و برخاست، غزوات و سرایا، آپ کی عائلی زندگی، آپ کے مکاتیب (۳) غرض ایک ایک چیز صحابہ کرام نے اس طرح محفوظ کی جس کی نظیر

(۱) مسند احمد: ۱۳۱/۳ سنن ابی داؤد: ۶۰۶

(۲) اس کی عام فہم مثال آپ ﷺ کے وہ مکاتیب ہیں جو آپ ﷺ نے بادشاہوں کو لکھے، حدیث کی کتابوں میں یہ مکاتیب موجود ہیں، جو حضرات صحابہ نے اپنی یادداشت سے تابعین کو سنائے اور پھر وہ سلسلہ روایت چلتا رہا، یہاں تک کہ ان کو حدیث کی کتابوں میں مدون کر لیا گیا، عرصہ کے بعد جب وہ مکاتیب دریافت ہوئے اور حدیث کی کتابوں سے ان کو ملا کر دیکھا گیا تو ذرا بھی فرق نہ تھا، ان مکاتیب کے ٹکوس جگہ جگہ موجود ہیں، جو بھی اصل حدیث کی کتابوں سے مراجعت کرنا چاہے دیکھے اس کو ایک لفظ کا بھی فرق مشکل سے ملے گا، اس سے ان حضرات کی قوت حفظ اور امانت اداء کا بخوبی اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

کہیں نہیں مل سکتی، گذشتہ انبیاء کی تاریخ اور واقعات بھی ہمیں قرآن مجید سے معلوم ہوتے ہیں، ورنہ ان انبیاء کے ماننے والوں نے ان سے سوائے چند روایات کے کچھ بھی محفوظ نہیں رکھا (۱) اور جو روایات ہیں ان کا بھی کوئی اعتبار نہیں، اللہ تعالیٰ نے اس دین کے لیے بقاء کا فیصلہ فرمایا تھا، تو اپنے آخری نبی ﷺ کو ایسی جماعت عطا فرمائی جو دو چیزوں میں پہلے بھی ممتاز تھی، ایک قوت حفظ دوسرے امانت، جو قوم اپنے گذشتہ واقعات اور اپنے باپ دادا کے قصوں کو یاد رکھتی ہو وہ اپنے نبی کی زبان سے نکلے ہوئے ایک ایک حرف کو کیسے نہ یاد رکھتی، اس نے صرف الفاظ ہی یاد نہیں رکھے بلکہ اس کا سیاق و سباق اور اس وقت کی کیفیت و حالت تک کو اس طرح محفوظ رکھا کہ پوری تصویر آنکھوں میں پھر جاتی ہے، حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے اپنی شہرہ آفاق کتاب ”حجة الله البالغة“ میں اس کو بعثت مقرونہ سے تعبیر فرمایا ہے، وہ لکھتے ہیں:

”انبیاء میں سب سے بلند مقام اس کا ہے جس کو بعثت کی ایک اور قسم حاصل ہے، اور اس کا مقصد یہ ہے کہ یہ لوگوں کی ہدایت کا سبب بن جائے، اور اس کے ذریعہ سے لوگ تاریکیوں سے روشنی کی طرف آجائیں، اور اس نبی کی قوم تمام امتوں میں سب سے بہتر امت ہو جس کو لوگوں کے لیے برپا کیا گیا ہو، تو اس عظیم المرتبت نبی کی بعثت ایک اور بعثت کو شامل ہے، پہلی بعثت کا تذکرہ اس آیت میں ہے ﴿هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِنْ كَانُوا مِنْ قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُبِينٍ﴾ (الجمعة: ۲) اور دوسری بعثت کی طرف اس آیت میں اشارہ ہے ﴿كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ﴾ (آل عمران: ۱۱۰) (تم

(۱) کناڈا یونیورسٹی کا Mathematics کا پروفیسر Garry Millar لکھتا ہے کہ اگر حضرت عیسیٰ کی باتیں جمع کی جائیں تو اخبار کے ڈیزہ کالم سے آگے نہیں بڑھ سکتیں۔

بہترین امت ہو جس کو لوگوں کے لیے برپا کیا گیا ہے) اور اسی دوسری بعثت کی طرف آنحضرت ﷺ نے اس حدیث میں اشارہ فرمایا ہے ”فانما بعثتم میسرین ولم تبعثوا معسرین“ (تمہیں سہولت پیدا کرنے کے لیے بھیجا گیا ہے تنگی پیدا کرنے کے لیے نہیں بھیجا گیا) (۱)

دین کے حاملین اولین اور حفاظت دین

حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کو اللہ تعالیٰ اس کی حفاظت و اشاعت کے دور اول کے لیے منتخب کیا تھا، معلوم ہوتا تھا کہ اسلام سے ان کے اندر ایک کرنٹ دوڑ گیا، ایک ایک بات سننے کے لیے اور اس کو محفوظ رکھنے کے لیے وہ بے چین رہتے تھے، اسی لیے بعض صحابہ نے شروع ہی میں احادیث لکھنے کا بھی اہتمام کیا، لیکن ابتداء میں آپ ﷺ نے منع فرمایا، اور اعلان فرمادیا کہ ”من کتب عنی شیا سوی القرآن فلیس محہ“ (۲) (جس نے قرآن کے علاوہ کچھ لکھا ہو تو اس کو مٹا دے) اس کی وجہ یہ تھی کہ ان میں بہت سے جدید الاسلام وہ حضرات تھے جن کے بارے میں ابھی آپ ﷺ کو پورا اطمینان نہ تھا کہ کہیں وہ حدیث کو قرآن کا حصہ نہ سمجھ لیں، لیکن جب وہ پوری طرح مزاج شناس ہو گئے تو آپ ﷺ نے اجازت دے دی، متعدد صحابہ نے لکھنے کا اہتمام فرمایا، خاص طور پر حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے مستقل لکھنا شروع کیا اور اپنے اس نوشتہ کا نام صحیفہ صادقہ رکھا (۳)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے اپنے آپ کو در اقدس پر لا کر ڈال دیا، دن و رات کا مشغلہ یہی تھا کہ ارشادات سنتے رہیں، شروع میں بعض باتیں ذہن سے نکل جاتی تھیں

(۱) حجة الله البالغة، جلد اول، ص: ۲۲۸-۲۲۹ (۲) مسند احمد بن حنبل: ۱۱۳۸۳

(۳) یہ صحیفہ حضرت عبداللہ کو بہت عزیز تھا، ان کی وفات کے بعد یہ ان کے پوتے شعیب بن محمد بن عبداللہ کو ملا، شعیب سے اس صحیفہ کو ان کے صاحبزادہ عمرو روایت کرتے ہیں، حدیث کی کتابوں میں عمرو بن شعیب عن ابيہ عن جدہ کی سند سے جتنی بھی روایات ہیں وہ سب اسکی صحیفہ کی ہیں

حضور کی خدمت میں عرض کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا اپنی چادر پھیلاؤ، پھر تین مرتبہ لپ بھر بھر کر آپ ﷺ نے اس میں کچھ ڈالا، پھر فرمایا کہ چادر سمیٹ لو، وہ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد سے کوئی چیز میرے دماغ سے محو نہیں ہوئی، یہی وجہ ہے کہ سب سے زیادہ روایات نقل کرنے والے صحابی یہی ہیں، جب ان سے سوال ہوا کہ دوسرے صحابہ جنہوں نے طویل عرصہ حضور کی خدمت میں گزارا ہے وہ اتنی کثرت سے روایات نقل نہیں کرتے، تو انہوں نے فرمایا کہ ان حضرات کو تجارت میں یا کھیتی باڑی میں وقت دینا پڑتا تھا، میرا سوائے اس کے کوئی مشغلہ ہی نہ تھا کہ رسول اللہ ﷺ کے در اقدس پر پڑا رہوں اور آپ کے ارشادات سننا رہوں یہی وجہ ہے کہ میں بکثرت روایات نقل کرتا ہوں۔ (۱)

حضور ﷺ کی وفات کے بعد صحابہ کا حال یہ تھا کہ اگر کسی حدیث کے بارے میں معلوم ہو جاتا کہ وہ انہوں نے نہیں سنی اور دوسرا کوئی صحابی اس کا سننے والا موجود ہے، تو براہ راست اس صحابی سے سننے کے لیے وہ کئی کئی سوکلو میٹر کا سفر کرتے۔

مولانا عبدالرشید نعمانی علیہ الرحمہ نے ایسے متعدد واقعات نقل فرمائے ہیں جو ذیل میں نقل کئے جاتے ہیں:

”حضرت جابر رضی اللہ عنہ کو ایک صحابی کے بارے میں کسی حدیث کا علم ہوا، خود فرماتے ہیں کہ: مجھے ایک صاحب کے متعلق اطلاع ملی کہ انہوں نے آنحضرت ﷺ سے ایک حدیث سنی ہے، میں نے فوراً اونٹ خریدا، اس پر کجاوہ کسا اور ان صاحب کی طرف ایک ماہ کا سفر طے کر کے سیدھا ملک شام پہنچا، یہ صاحب عبداللہ بن انیس تھے، میں نے ان کے دربان سے کہا جا کر کہو جابر دروازہ پر کھڑا ہے، انہوں نے سنتے کے ساتھ ہی پوچھا کیا ابن عبداللہ؟ میں نے کہا جی ہاں، وہ فوراً باہر آئے گلے ملے، میں نے کہا: مجھے ایک حدیث

کے متعلق اطلاع ملی تھی کہ آپ نے اسے آنحضرت ﷺ سے سنا ہے میں ڈرا کہ کہیں مجھے موت آجائے اور اس حدیث مبارک کے سننے سے محروم رہ جاؤں، یہ سن کر حضرت عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ نے وہ حدیث بیان کر دی۔ (۱) یہ حدیث آخرت میں قصاص سے متعلق ہے، اور امام بخاری نے اس کا ایک نکلڑا صحیح بخاری، کتاب التوحید، باب لا تنفع الشفاعة الا لمن اذن له میں ذکر کیا ہے۔

امام داری نے اپنی سنن میں عبداللہ بن بریدہؓ سے روایت کی ہے کہ ایک صحابی سفر کر کے حضرت فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ کے پاس مصر پہنچے، یہ اس وقت اپنی اونٹنی کو چارہ کھلا رہے تھے، ان کو دیکھتے ہی بولے مرحبا صحابی مذکور نے فضالہ سے کہا "آتک زائرا" میں آپ کی ملاقات کے لیے نہیں آیا بلکہ اس غرض سے آیا ہوں کہ میں نے اور آپ نے ایک حدیث رسول اللہ ﷺ سے سنی تھی مجھے امید ہے کہ وہ آپ کے علم میں ہوگی فضالہ نے پوچھا "ماہو؟" (وہ کون سی حدیث ہے؟) صحابی مذکور نے کہا "کذا کذا" (جس میں یہ یہ ہے) (۲)

اسی طرح کا ایک واقعہ محدث حاکم نے "معرفت علوم الحدیث" میں حضرت ابویوب انصاری رضی اللہ عنہ کا نقل کیا ہے، کہ وہ بھی حضرت عقبہ بن عامر جہنی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں صرف ایک حدیث کی خاطر سفر کر کے مصر تشریف لے گئے تھے، چنانچہ جب وہ مسلمہ بن مخلد انصاری رضی اللہ عنہ کے مکان پر پہنچے جو اس وقت مصر

(۱) فتح الباری بشرح صحیح البخاری، ج: ۱۵۸/۱: ۱۵۹

(۲) سنن داری، ص: ۷۵، طبع نظامی کانپور، حافظ ابن حجر نے فتح الباری (ج: ۱۵۹/۱) میں اس کو بحوالہ ابوداؤد نقل کیا ہے۔

کے گورنر تھے، تو ان کو اطلاع دی، مسلمہ جلدی سے باہر آئے، معانقہ کیا، پوچھا کیسے تشریف آوری ہوئی، فرمایا: ایک حدیث میں نے حضور اکرم ﷺ سے سنی تھی، اب سوائے میرے اور عقبہ کے اور کوئی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے اس کا سننے والا باقی نہیں، اس لیے کسی کو بھیج دو جو مجھے ان کے مکان کا پتہ بتا دے، مسلمہ رضی اللہ عنہ نے فوراً آدمی ساتھ کر دیا، حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ کو اطلاع ہوئی تو جلدی سے نکل کر معانقہ کیا اور پوچھنے لگے اے ابویوب! کیسے آنا ہوا؟ جواب دیا مسلمان کی پردہ پوشی کے بارے میں ایک حدیث میں نے آنحضرت ﷺ سے سنی تھی، اب میرے اور تمہارے سوا اور کوئی آپ ﷺ سے اس کا سننے والا باقی نہیں ہے، عقبہ رضی اللہ عنہ بولے ہاں میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے: ”من ستر علی مؤمن فی الدنیا علی عذیبة سترہ اللہ یوم القیامة“ (جو دنیا میں کسی رسوائی پر مسلمان کی پردہ پوشی کرے گا، اللہ تعالیٰ قیامت میں اس کی پردہ پوشی فرمائے گا)

حضرت ابویوب رضی اللہ عنہ نے سن کر کہا تم نے سچ کہا، یہ کہہ کر سواری کا رخ کیا، اور سوار ہو کر مدینہ طیبہ کو واپس گئے، واپسی میں اتنی جلدی کی کہ حضرت مسلمہ رضی اللہ عنہ نے جو نذرانہ ان کو بھیجا تھا وہ بھی عریض مصر میں ان کو ملا۔“ (۱)

احتیاط کا عالم یہ تھا کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے پانچ سو حدیثیں قلم بند فرمائیں، لیکن اس خوف سے وہ مجموعہ سوخت کر دیا کہ کہیں کسی لفظ کا فرق نہ ہو گیا ہو، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے کوئی روایت نقل کرتا تو اس پر گواہی طلب کرتے،

(۱) ابن ماجہ اور علم حدیث، ص: ۱۳۰-۱۵

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں منقول ہے کہ وہ قسم لیا کرتے تھے، ایک صحابی کے بارے میں آتا ہے کہ روایت فرماتے تو دوزانو بیٹھ جاتے، چہرہ سرخ ہو جاتا، کبھی کبھی غشی طاری ہو جاتی، اس پر بھی فرماتے کہ یا تو یہی فرمایا یا اس جیسا فرمایا، ابن ماجہ میں یہ روایت موجود ہے۔

اس اہتمام اور احتیاط کے ساتھ یہ پورا خزانہ تابعین کو منتقل ہوا، اعداء اسلام کو اس پوری مدت میں اس کا موقع ہی نہ مل سکا کہ وہ اس میں کچھ کمی زیادتی کر سکیں۔

منافقین اور یہودیوں کی ساز باز

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اخیر دور میں جب مختلف ملکوں سے لوگ آنے لگے اور دین میں داخل ہونے لگے، مختلف مزاج رکھنے والے اپنے اپنے مقاصد کے ساتھ آتے، اور جہاں ان آنے والوں میں بڑی تعداد مخلص مسلمانوں کی ہوتی وہیں ایک تعداد ان لوگوں کی بھی تھی جو منافقین کی جماعت میں شامل تھے، اسلام کا لبادہ اوڑھ کر اندرون خانہ وہ دین کو نقصان پہنچاتے، ایسے لوگوں کو پہچانا آسان نہ تھا، فیصلہ ظاہر ہی پر کیا جاسکتا تھا اندرون سے کوئی کیسے واقف ہوتا، سلسلہ وحی آپ ﷺ کی وفات سے ہی منقطع ہو چکا تھا، اس لیے متعین طور پر منافقین کی تعیین تقریباً ناممکن تھی، اسی لیے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ ”انما النفاق كان على عهد رسول الله ﷺ فاما اليوم فانما هو الكفر أو الايمان“ (۱) (نفاق تو نبی اکرم ﷺ کی وفات سے زمانہ میں جانا جاسکتا تھا، آج یا تو کفر ہے یا اسلام ہے) تاہم ایسے صاحب فرست موجود تھے جو اندازہ کر لیا کرتے تھے، خود حضرت ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ کا لقب ہی ”صاحب سر رسول اللہ ﷺ“ تھا، حضور ﷺ نے ان کو بہت سی راز کی باتیں بتائی تھیں، جن میں منافقین کے اسماء بھی تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت

(۱) الجمع بین الصحیحین البخاری ومسلم: ۴۰۰

میں ان سے دریافت کیا کہ میں نے جو عمل مقرر کئے ہیں ان میں کوئی منافق تو نہیں ہے؟ تو حضرت ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ تو نبی ﷺ کا راز ہے میں اس کا افشاء نہ کروں گا، حضرت عمرؓ نے رات ہی ایک عامل کو معزول کر دیا، حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا تو انہوں نے اتنا بتا دیا کہ اب کوئی منافق عامل نہیں ہے، حضرت عثمانؓ کے ابتدائی دور خلافت تک یہ منافقین بہت دبے رہے، اور ان کو سر اٹھانے کا ایسا موقع نہیں مل سکا کہ وہ اسلام کو کوئی بڑا نقصان پہنچاتے، حضرت عثمانؓ کے زمانہ خلافت میں جب مملکت اسلامیہ میں وسعت پیدا ہوئی اور مختلف ملکوں کے لوگ دین میں داخل ہونے لگے تو یہودیوں نے ان کے ساتھ ساز باز کی اور دین کو مٹانے کی ہر ممکن کوشش کی اور طرح طرح اس کے مواقع پیدا کئے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ اور تدوین حدیث

پہلی صدی ہجری کے ختم ہوتے ہوتے ان دشمنان دین نے حدیث رسول ﷺ کو نشانہ بنانا چاہا اور یہ کوششیں شروع کر دیں کہ احادیث نبویہ میں اپنی طرف سے گڑھ گڑھ کر چا بک دستی کے ساتھ وضع کردہ کلام شامل کر دیا جائے تاکہ ان کا الگ کرنا مشکل ہو، یہ وہ زمانہ تھا کہ صحابہ کرام کا دم داپس تھا چند گنے چنے نفوس قدسیہ باقی رہ گئے تھے جن کے دم سے تابعین براہ راست احادیث سنتے تھے، ایسی صورت حال میں یہ ڈر پیدا ہو چلا تھا کہ کہیں ان اعداء دین کی سازش کامیاب نہ ہو جائے اور صحابہ کرام کے رخصت ہو جانے کے بعد جب کہ یہ علم سینہ سینہ منتقل ہو رہا تھا ایسے منافقین اس سلسلہ میں داخل نہ ہو جائیں جو پورا نظام بگاڑ کر رکھ دیں، اللہ تعالیٰ نے اس صورت حال کا مقابلہ کرنے کے لیے حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ کو پیدا فرمایا، جب وہ تخت خلافت پر بیٹھے تو اپنے عمال کے نام انہوں نے یہ فرمان جاری کیا ۱۳۱ نظر و احادیث رسول اللہ ﷺ فأجمعوه (۱) اس کے علاوہ انہوں نے مختلف علاقوں کے کبار علماء کو براہ

راست متوجہ کیا، قاضی مدینہ منورہ امام ابو بکر ابن حزم کو خاص طور پر یہ تحریر فرمایا: ”کتاب لی بما ثبت عندک من الحدیث عن رسول اللہ ﷺ و بسحدیث عمرة فانی خشیت دروس العلم و ذهابہ“ (۱) (آپ کے پاس جو حدیثیں رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہوں وہ مجھے لکھ بھیجئے، مزید حضرت عمرة کی حدیثیں بھی، اس لیے کہ مجھے علم کے مٹ جانے اور علماء کے اٹھ جانے کا اندیشہ ہے) قاضی صاحب کے علاوہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے امام زہری، امام شعبی اور امام کھول جیسے اور بھی حلیل القدر ائمہ کو تدوین حدیث کی طرف متوجہ کیا، فرمان خلافت کے فوراً بعد سارے حضرات جمع و تدوین حدیث میں اس طرح منہمک ہوئے کہ چھان چھٹک کر دودھ کا دودھ، پانی کا پانی کر دیا، ان حضرات کے قوت حفظ و ادراک اور اتقان کے واقعات دیکھے جائیں تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ اس دین کی حفاظت کے لیے اس وعدہ الہی کی تکمیل تھی جو اللہ نے اپنے نبی ﷺ سے فرمایا تھا، اور کھلا ہوا نبی ﷺ کا مجرہ تھا۔

سنن دارمی میں ابن شبرمہ کی زبانی منقول ہے کہ شعبی کہا کرتے تھے کہ اے شباک! میں تم سے دوبارہ حدیث بیان کر رہا ہوں، حالانکہ میں نے کبھی کسی سے حدیث کے دوبارہ اعادہ کی درخواست نہیں کی، اسی کتاب میں امام شعبی کا یہ بیان بھی موجود ہے ”ما کتبت سوادا فی بیاض قط، و ما سمعت من رجل حدیثا فأردت أن یعیده علی“ (۲) (میں نے نہ کبھی سپیدی پر سیاہی سے لکھا، اور نہ کبھی کسی سے حدیث سن کر دوبارہ اس سے اعادہ کرایا)

حافظ ابن عبدالبر ”جامع بیان العلم“ میں امام زہری کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں، وہ خود فرماتے تھے ”انی لأمر بالبقیع فأسد آذانی مخافة أن یدخل فیها شیء من الخنا فواللہ ما دخل فی اذنی شیء قط فسنیته“ (۳) (میں بقیع

(۱) سنن دارمی، باب من رخص فی کتابة العلم: ۴۹۶

(۲) جامع بیان العلم و فضلہ، فی باب ذکر کراہیة کتابة العلم و تحلیدہ: ۲۵۶

(۳) باب جامع بیان العلم، ۸۳/۱

سے گذرتا ہوں تو اپنے کانوں کو اس لیے بند کر لیتا ہوں کہ کوئی بے ہودہ بات اس میں پڑ نہ جائے، کیونکہ خدا کی قسم کبھی ایسا نہیں ہوا کہ کوئی بات میرے کان میں پڑی ہو اور میں اس کو بھول گیا ہوں)

اس زمانہ میں حفظ حدیث کا ایسا رواج عام تھا کہ لکھنے کو معیوب سمجھا جاتا تھا، اس پر یہ تہمت لگ جاتی تھی کہ اس کی یادداشت میں شاید کچھ کمزوری ہے، حفاظ حدیث اتنی بڑی تعداد میں موجود تھے کہ بعد کے دور میں جب ان کے حالات مدون ہوئے تو صرف حفاظ حدیث کے تذکرہ میں دسیوں کتابیں تیار ہو گئیں، محدث جلیل مولانا محمد عبدالرشید نعمانی ان کتابوں کے تعارف کے بعد لکھتے ہیں:

”نظر کو بلند تر کیجئے، جس امت نے حفاظ حدیث کے حالات کو اس طرح محفوظ کیا ہو، اس نے خود حدیث کے حفظ اور اس کی یادداشت میں کیا کچھ اہتمام نہ کیا ہوگا، آج جب کہ موجودہ نسل نے اپنی قوت حافظہ کو معطل کر کے اسے بالکل بیکار اور مضحک بنا دیا ہے، اور مطابح کے عالم وجود میں آجانے کے باعث جو علم کہ اگلے علماء کے دماغوں میں تھا وہ ہمارے کتب خانوں میں منتقل ہو چکا ہے، حفظ حدیث کے واقعات کو کتنے ہی تعجب اور حیرت کی نظر سے کیوں نہ دیکھا جائے مگر حقیقت بہر حال حقیقت ہے..... یہی وہ زمانہ تھا جب ”علم سینہ بہ از علم سفینہ“ پر صحیح معنوں میں عمل در آمد تھا“۔ (۱)

حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ کے فرمان خلافت کے بعد ان حضرات نے بھی کتابت حدیث کی طرف توجہ فرمائی جو ابھی تک متردد تھے، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دفتر کے دفتر تیار ہو گئے، اس وقت کی تقریباً تمام تر کوششیں یہی تھیں کہ تمام احادیث صفحہ قرطاس پر منتقل ہو جائیں، اس وقت نہ صحیح ضعیف کی اصطلاح تھی، نہ جرح و تعدیل کا فن وجود میں آیا

تھا، تاہم ان لکھنے والوں نے اس کا ضرور اہتمام کیا کہ ان حدیثیں وضع کرنے والوں سے ہوشیار رہیں، اور ان سے کوئی روایت نقل نہ کریں، جن کی اصل کا پتہ نہیں کہاں سے وہ روایتیں نقل کرتے ہیں اور کن اساتذہ سے انہوں نے علم حاصل کیا، اسی لیے یہ بات عام تھی ”ان هذا العلم دین فانظروا عمن تأخذون دینکم“ (۱) (یہ علم دین ہے تو خوب دیکھ لو کہ تم کس سے اپنا دین حاصل کر رہے ہو)

امام زہری رحمۃ اللہ علیہ

امام زہری ان ائمہ متقدمین میں سے ہیں جن کے سر تدوین حدیث کا سہرہ ہے، امام زہری رحمۃ اللہ علیہ کو خاص امتیاز حاصل ہے، ان کی قوت حفظ کا تذکرہ گذر چکا ہے پھر اپنی محنت شاقہ سے انہوں نے علوم کے خزانے حاصل کئے اسی لیے ان کو اپنے زمانہ کا سب سے بڑا عالم کہا جانے لگا، خود حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ فرماتے تھے:

”علیکم بابن شہاب هذا فانکم لا تلقون أحدا أعلم بالسنة الماضية منه“ (۲) (ابن شہاب زہری کو لازم پکڑو اس لیے کہ تم جس سے بھی ملتے ہو ان میں کوئی ایسا نہیں ہے جو سنتوں کا ابن شہاب سے زیادہ جاننے والا ہو)

حضرت عمرو بن دینار کا قول ہے ”ما رأیت أحدا أنص للحديث من الزہری، وما رأیت أحدا أہون عنده الدراہم منه کانت عنده بمنزلة البعر“ (۳) (میں نے زہری سے زیادہ حدیث کے لفظ لفظ کو محفوظ رکھنے والا نہیں دیکھا، اور میں نے ان سے زیادہ دنیا سے بے پرواہ کسی دوسرے کو نہیں دیکھا، دراہم ان کے نزدیک اونٹ کی بیگنیوں کی طرح تھے)

امام لیث بن سعد فرماتے ہیں: ”ما رأیت عالما قط أجمع من ابن شہاب

(۲) سیر أعلام النبلاء، ۳۳۶/۵

(۱) صحیح مسلم، ۲۶

(۳) سیر أعلام النبلاء، ۳۳۶/۵

بحديث في الترغيب فتقول لا بحسن وان حدث عن العرب والانساب قلت
لا بحسن الا هذا وان حدث عن القرآن والسنة كان حديثه“ (۱) (میں نے ابن
شہاب سے بڑھ کر جامع عالم نہیں دیکھا، ترغیب کی احادیث بیان کریں، تو آپ کو خیال
ہو سکی ان کا موضوع ہے، انساب و تاریخ عرب کو بیان کریں تو آپ کہیں گے اس میں
ان کا جواب نہیں، اور اگر قرآن و سنت کا بیان کریں تو اس کے تو وہ امام ہی ہیں)
خود وہ فرماتے ہیں کہ پینتیس یا چھیالیس سال میں شام و حجاز کی حدیثیں ایک
دوسرے کو پہنچاتا رہا لیکن اس عرصہ میں کسی نے مجھے ایسی حدیث نہیں سنائی، جو پہلے سے
میں نے سن رکھی ہو۔ (۲)

یہی وجہ ہے کہ اس زمانہ کے کبار ائمہ و علماء نے امام زہری سے استفادہ کیا، کہا
جاسکتا ہے کہ تابعین میں حدیث کی بڑی تعداد کا مدار امام زہری ہیں، بڑی تعداد میں وہ
حدیثیں ہیں جو صرف امام زہری سے مروی ہیں، حدیث کی ہر بڑی چھوٹی کتاب میں
ان کی حدیثیں موجود ہیں، بلکہ واقعہ یہ ہے کہ حدیث کی کتابوں میں شاید ہی کوئی باب
ایسا ہو جس میں امام زہری کی حدیثیں نہ ہوں۔

اعداء اسلام جن میں یہودی پیش پیش ہیں، ہمیشہ اسلام کو کمزور کرنے کی کوشش کی
کرتے رہے ہیں، (۳) امام زہری جن پر بڑی تعداد میں حدیث کا مدار ہے، اور جن کو
تابعین میں امیر المؤمنین فی الحدیث کہا جاسکتا ہے، ان کو مطعون کرنے کا بھی ان دشمنوں
نے بیڑا اٹھایا، معروف یہودی مستشرق گولڈ زیہران میں سرفہرست ہے، ان مستشرقین کا

(۱) سیر اعلام النبلاء: ۳۳۲۸/۱۵

(۲) سیر اعلام النبلاء: ۳۳۵۱/۱۵

(۳) یہ بات صہبونی پر نوٹو کول میں داخل ہے کہ مختلف مذاہب اور قوموں کے عظیم افراد کو مطعون کیا
جائے اور ان پر طرح طرح الزامات ثابت کر کے ان کی حیثیت گرا دی جائے تاکہ ان پر اعتماد ختم
ہو جائے، ظاہر ہے کہ اس کے نتیجہ میں انتشار پیدا ہوگا، اور دین پر اعتماد آہستہ آہستہ اٹھتا چلا جائے
گا، اسی لیے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو بھی مطعون کرنے کی ان مستشرقین کی طرف سے
کوششیں ہوئی ہیں جو سب سے زیادہ روایات نقل کرنے والے صحابی ہیں۔

ایک دطیرہ یہ بھی رہا ہے کہ وہ کسی جزوی واقعہ کو سامنے رکھ کر اس کا اپنی طرف سے مفہوم متعین کر دیتے ہیں اور سیاق و سباق سے اس کو بالکل الگ کر دیتے ہیں، اور اپنی بات کو اس طاقت کے ساتھ پیش کرتے ہیں کہ بعض مرتبہ پڑھا لکھا آدمی بھی متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ پاتا، لیکن اگر ان تحقیقات کا تجزیہ کیا جائے تو دودھ کا دودھ پانی کا پانی ہو جاتا ہے، کچھ یہی صورت حال اس مستشرق کی بھی ہے، اس نے امام زہری پر سب سے بڑا الزام یہ لگایا ہے کہ ان کا تعلق اموی حکام و خلفاء سے بہت گہرا رہا ہے اور انہوں نے زہری کو حدیث گڑھنے پر مجبور کیا، اور اس کی دلیل میں خود امام زہری کے اس قول کو پیش کر دیا ہے کہ ”کنا نکرہ حتی اکرہنا علیہ الامراء“ (۱) (ہم اس کو ناپسند کرتے تھے لیکن ان امراء نے ہمیں کتابت حدیث پر مجبور کیا) اس کا مطلب اس مستشرق نے یہ نکالا ہے کہ ان امراء نے وضع حدیث پر مجبور کیا، لیکن یہ بات وہی کہہ سکتا ہے جو امام زہری سے واقف نہ ہو، عام طور پر مستشرقین کی کمزوری یہ ہے کہ وہ ایک موضوع کو بعض مرتبہ اس طرح اختیار کر لیتے ہیں کہ بقیہ ہر چیز سے بے خبر رہتے ہیں، اور اس میں بھی اکثر ان کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ اسلام اور مسلمانوں کی کمزوری بیان کرنے میں نہ چوکیں، گونڈ زہیر نے بھی امام زہری کے بارے میں ایک مفروضہ قائم کر لیا اور ان کے قول کی خود ساختہ تشریح کر ڈالی، اس کی تفصیل امام ابن عبد البر نے بیان کی ہے وہ امام زہری سے نقل کرتے ہیں، ”کنا نکرہ کتاب العلم حتی اکرہنا علیہ ہؤلاء الامراء فرأینا أن لا نمنعه أحدنا من المسلمین“ (۱) (مجھے علم کا لکھوانا پسند نہ تھا یہاں تک کہ ان امراء نے مجھے لکھنے پر مجبور کیا، پھر مجھے یہ خیال پیدا ہوا کہ اب جو بھی لکھوانا چاہے میں نہ روکوں)

اس سے زیادہ وضاحت ان کے مندرجہ ذیل بیان سے ہو جاتی ہے وہ فرماتے ہیں ”استکتبنی الملوک فاکتبتہم فاستحیبت باللہ اذ کتبتہا الملوک أن لا

(۱) جامع بیان العلم وفضلہ، فی باب ذم العالم علی مداخلۃ السلطان، رقم: ۶۶۰

(۱) جامع بیان العلم: ۹۲/۱

کتبہا لغيرہم“ (۱) (مجھے بادشاہوں نے لکھنے پر مجبور کیا تو میں ان کو لکھوایا تو مجھے شرم آئی کہ جب میں نے بادشاہوں کو لکھوایا تو دوسروں کو کیوں نہ لکھوایا)

امام ابن عبدالبر خود ہی آگے نقل کرتے ہیں ”اقام شہاب بن عبد الملک کاتبین یکتبان عن الزہری فأقاما سنة یکتبان عنہ“ (۲) (ابن عبد الملک نے دو کاتب امام زہری کے پاس متعین کر دیئے تھے وہ دونوں سال بھر امام کی حدیثیں نقل کرتے رہے) جو علم سے ادنیٰ شغف رکھتا ہو وہ سمجھ لے گا کہ ملوک و امراء نے امام زہری کو کس چیز پر مجبور کیا تھا، حدیثیں گڑھنے پر مجبور کیا تھا یا حدیثیں لکھوانے پر مجبور کیا تھا، امام زہری نے اکراہ کے الفاظ اس لیے استعمال فرمائے کہ وہ حدیثیں لکھوانے کو مناسب نہیں سمجھتے تھے، جو ایک دفعہ سنا کر دہرانا اچھا نہ سمجھتا ہو وہ لکھوانے کو کتنا معیوب سمجھتا ہوگا، اس کی وجہ صرف یہی تھی کہ اس زمانہ میں اصل مدار حفظ حدیث پر ہوتا تھا، اس سے اعزازہ کیا جاسکتا ہے مستشرقین کس طرح بات کا بٹنگلڑ بناتے ہیں، یہ قارئین کو اختیار ہے کہ وہ چاہیں تو اس کو ان کی عداوت پر محمول کریں یا جہالت پر۔

امام زہری نے اموی حکام سے جو روابط قائم رکھے اس کا بنیادی مقصد یہ تھا کہ وہ ان کی اصلاح کا فریضہ انجام دے سکیں، ان کے اس حکیمانہ اقدام سے ان میں متعدد کی غلط فہمیاں دور ہوئیں، اس کے واقعات تاریخ کی زینت ہیں۔

ابن عبد ربہ لکھتے ہیں:

”ایک مرتبہ امام زہری، ولید بن عبد الملک کے پاس شریف لے گئے، تو اس نے کہا کہ اہل شام ایک روایت مجھ سے نقل کرتے ہیں آپ کی کیا رائے ہے؟ امام زہری نے پوچھا وہ کون سی روایت ہے؟ تو اس نے کہا کہ وہ مجھ سے یہ حدیث نقل کرتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ اپنے کسی

(۱) جامع بیان العلم ۹۲/۱

(۲) جامع بیان العلم وفضلہ، فی باب معارضة الكتاب: ۷۷/۱

بندے کو رعایا کا ذمہ دار بنائے تو اس کی نیکیاں لکھی جاتی ہیں، اور برائیاں نہیں لکھی جاتیں، امام زہری نے برجستہ فرمایا: امیر المؤمنین! بالکل باطل روایت ہے، اور پھر امام زہری نے اس کو مطمئن کرنے کے لیے اس سے ایک سوال کیا کہ اللہ کے نزدیک وہ خلیفہ جو نبی بھی ہو وہ زیادہ معزز ہے یا وہ جو صرف خلیفہ ہو؟ تو ولید نے کہا کہ وہ خلیفہ جو نبی بھی ہو، تو امام زہری نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس خلیفہ کے بارے میں جو نبی بھی تعارف فرماتے ہیں ﴿يَا دَاوُدُ إِنَّا جَعَلْنَاكَ خَلِيفَةً فِي الْأَرْضِ فَاحْكُم بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوَىٰ فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ إِنَّ الَّذِينَ يَخْتَلِعُونَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيدٌ بِمَا نَسُوا يَوْمَ الْحِسَابِ﴾ (ص: ۲۶) (اے داؤد! ہم نے تم کو زمین میں خلیفہ بنایا تو لوگوں میں حق کے ساتھ فیصلہ کرو، اور خواہش کے پیچھے مت پڑنا، (ورنہ) یہ چیز تمہیں اللہ کے راستے سے بھٹکا دے گی، بلاشبہ جو لوگ بھی اللہ کے راستے سے بھٹکتے ہیں ان کے لیے دردناک عذاب ہے اس لیے کہ وہ حساب کا دن بھول گئے)

اے امیر المؤمنین! یہ وعید اس خلیفہ کے لیے ہے جو نبی بھی تھا، تو اس خلیفہ کے بارے میں آپ خود فرمائیں جو نبی نہ ہو، ولید نے کہا کہ لوگ ہمیں ہمارے دین سے ہٹاتے ہیں۔“ (۱)

اس واقعہ سے ایک طرف امام زہری کی ثابت قدمی اور بادشاہ کے سامنے کلمہ حق کہنے کی جرات معلوم ہوتی ہے اور دوسری طرف دعوت کا حکیمانہ اسلوب سامنے آتا ہے، اور صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اموی خلفاء و حکام سے امام کے روابط کا انداز کیا تھا۔ تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ امام زہری کا مسلک حفظ حدیث کا تھا، اور اس کے

لیے وہ لکھنے کو زیادہ بہتر نہیں سمجھتے تھے، اور اگر کوئی چاہتا کہ امام اس کو کچھ لکھوادیں تو امام صاحب اس کو پسند نہیں فرماتے تھے لیکن ان کے بارے میں منقول ہے کہ شروع ہی سے احادیث لکھنے کا اہتمام فرماتے تھے، اس کا مقصد یہ تھا کہ روایات مدون ہو جائیں، ان کو یادداشت کے لیے لکھنے کی ضرورت نہ تھی، بلکہ یہ کام انہوں نے جمع و تدوین حدیث کے لیے شروع فرمایا تھا، ایک بڑے راوی حدیث ابوالزناد فرماتے ہیں کہ ”ہم زہری کے ساتھ علماء کی خدمت میں جایا کرتے تھے، ان کے ساتھ تختیوں اور صحائف کا ایک ذخیرہ رہا کرتا تھا، جو حدیثیں سنتے تھے وہ لکھ لیا کرتے تھے“ (۱) یہی وجہ ہے کہ جب حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے علماء عصر کو تدوین حدیث کی طرف متوجہ کیا تو سب سے پہلے امام زہری نے دفتر خلافت میں اپنا کام پیش کیا، اس لیے کہ وہ یہ کام بڑی حد تک پہلے ہی مکمل کر چکے تھے، دوسرے علماء نے حضرت عمر بن عبدالعزیز کے فرمان کے بعد کام شروع کیا، ان کی خلافت اتنی مختصر رہی کہ قبل اس کے کہ یہ حضرات جمع و تدوین سے فارغ ہوں حضرت عمر بن عبدالعزیز کی وفات ہوگئی۔

اسی لیے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ بڑی صراحت سے فرماتے تھے ”اول من دون العلم و کتبہ ابن شہاب“ (۲) (سب سے پہلے جس نے علم مدون کیا وہ ابن شہاب (زہری) ہیں)

دوسری صدی کی تصنیفات

پہلی صدی کے اخیر میں حضرت عمر بن عبدالعزیز کے حکم سے احادیث مدون ہوئیں، اور ان کے دفتر کے دفتر تیار ہو گئے، لیکن یہ کام زیادہ تر جمع و تدوین کی حد تک تھا، ترتیب و تویب کا کام باقاعدہ دوسری صدی ہجری میں شروع ہوا (۳) امام ابوحنیفہ

(۱) سیر اعلام النبلاء ۳۲۹/۵ (۲) جامع بیان العلم، باب ذکر الرخصة فی کتابة العلم
(۳) اس سلسلہ میں صرف امام فحسی کا استثناء کیا جاسکتا ہے جنہوں نے طلاق سے متعلق حدیثیں الگ جمع کی تھیں۔

رحمۃ اللہ علیہ کا نام اس میں سرفہرست ہے، انہوں نے باقاعدہ فقہی ترتیب کے مطابق احادیث جمع فرمائیں، اور ”کتاب الآثار“ کے نام سے یہ کتاب مرتب کی، اس میں یہ بھی خیال رکھا کہ وہ ان میں ان احادیث کا انتخاب کریں جو صحت کے معیار پر پوری اترتی ہوں، اسی زمانہ میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے موطا کے نام سے تقریباً اسی ترتیب پر کتاب تصنیف کی جو امام ابوحنیفہ نے اختیار فرمائی تھی اور اس میں مزید وسعت دی، ان دونوں حضرات نے صحت حدیث کا خاص التزام رکھا، اس زمانہ میں وہ اصطلاحات نہ تھیں جو بعد میں اختیار کی گئیں، زمانہ بھی وہ تھا جس کے بارے میں زبان نبوت نے خیر القرون کی گواہی دی ہے، یہی وجہ ہے کہ بہت سی وہ روایات بعد میں ضعیف قرار دی گئیں جو ان حضرات کے نزدیک حجت تھیں، مرسل روایت کو ان حضرات نے اختیار کیا ہے، ان کا کہنا یہ ہے کہ اگر کوئی تابعی جو خود ثقہ اور قابل اعتماد ہے ”قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم“ (رسول اللہ ﷺ نے فرمایا) کہتا ہے، تو یہ خود اس بات کی دلیل ہے کہ وہ روایت صحیح ہے، ورنہ وہ ثقہ تابعی حدیث کو رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب کرنے کی جرأت نہ کرتا، بعد میں حالات بدل جانے کی بناء پر محدثین کی رائے بدل گئی، لیکن اتنی بات پر تقریباً علماء متفق ہیں کہ ان دونوں کتابوں میں کوئی ایسی روایت نہیں ہے جو بے اصل ہو، اور یہی دونوں احادیث کے سب سے پہلے مجموعے ہیں، ان دونوں حضرات نے احادیث رسول ﷺ کے ساتھ آثار صحابہ نقل کرنے کا بھی اہتمام کیا ہے، اللہ تعالیٰ نے ان کتابوں کو قبولیت عطا فرمائی، خاص طور پر موطا کو جو قبولیت حاصل ہوئی وہ چند ہی کتابوں کو حاصل ہو سکی۔

امام مالکؒ نے جب موطا تصنیف فرمائی تھی تو خلیفہ منصور نے ان سے کہا تھا کہ ”میرا ارادہ ہے کہ میں آپ کی اس کتاب کے متعلق حکم دوں کہ اس کی نقلیں لی جائیں، اور مسلمانوں کے پاس ہر شہر میں اس کا ایک ایک نسخہ بھیج دیا جائے، اور فرمان جاری کر دوں کہ وہ اسی کے مطابق عمل درآمد کریں اور اس سے تجاوز نہ کریں“ امام مالک

نے فرمایا: ”ایسا نہ کیجئے کیونکہ لوگوں کے پاس پہلے ہی سے اقوال پہنچ چکے ہیں، انہوں نے احادیث سن رکھی ہیں، اور پہلے سے جو علم ان تک پہنچا ہے وہ انہوں نے حاصل کیا ہے، اسی پر وہ حامل ہیں، اور اختلاف کے موقع پر اسی کو اختیار کرتے ہیں، انہوں نے جس کو پکڑ رکھا ہے اس سے ہٹانا بہت دشوار ہے، لوگوں کو ان کے حال پر رہنے دیجئے، اور ہر شہر والوں نے اپنے لیے جو انتخاب کر لیا ہے اس پر عمل کرنے دیجئے، منصور نے اس پر کہا کہ ”اگر یہ ہماری بات مان لیتے تو میں ضرور حکم کرتا“۔ (۱)

ابن عبدالبر اس واقعہ کو نقل کر کے فرماتے ہیں ”هذا غاية في الانصاف لمن فهم“ (۲) (یہ ہر سمجھ رکھنے والے کے لیے انتہائی انصاف کی بات ہے) امام کے اس انصاف و اخلاص کا نتیجہ تھا کہ مشرق و مغرب میں یہ کتاب پڑھی اور پڑھائی گئی، اس کی شرحیں لکھی گئیں اور اس پر کام ہوا۔

امام ذہبی مؤطا کے بارے میں لکھتے ہیں ”ان للموطا لوقعا في النفوس ومهابة في القلوب لا يوازيها شيء“ (۳) (مؤطا کی جو وقعت ہے اور دلوں پر اس کا جو رعب ہے کوئی چیز اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی)

امام شافعی فرماتے ہیں ”ما على ظهر الأرض كتاب بعد كتاب الله أصح من كتاب مالك“ (۴) (كتاب اللہ کے بعد روئے زمین پر کوئی ایسی کتاب سامنے نہیں آئی جو امام مالک کی کتاب سے زیادہ صحیح ہو) حضرت سفیان ثوری، حضرت عبداللہ بن مبارک اور امام کبیر کی تصنیفات بھی اسی دور کی ہیں، لیکن جو مقبولیت مؤطا کو حاصل ہوئی وہ کسی دوسری کتاب کو حاصل نہ ہو سکی۔

(۱) جامع بیان العلم وفضله: ۱/۱۶۰، فصل فی الانصاف فی العلم، مطبوعہ بیروت

(۲) جامع بیان العلم وفضله، فصل فی الانصاف فی العلم

(۴) المسوی شرح المؤطا: ۲۳/۱

(۳) سیر اعلام النبلاء، ۱۸/۲۰۳

تیسری صدی حدیث کا سنہری دور

تیسری صدی کا آغاز ہوتے ہوتے چپہ چپہ میں حدیث کا چرچا تھا، محدث کبیر مولانا محمد عبدالرشید نعمانی اس عہد کی تصویر کشی کرتے ہوئے لکھتے ہیں

”یہ وہ زمانہ ہے کہ محدثین اطراف عالم میں پھیل چکے تھے، اور جا بجا اسناد و روایت کے دفتر کھلے ہوئے تھے، تمام بلاد اسلامیہ میں سینکڑوں نہیں، بلکہ ہزاروں درس گاہیں قائم تھیں، اور بڑے زور و شور سے حدیث پاک کا درس جاری تھا، اس زمانہ میں عامۃ المسلمین میں علم حدیث کا شوق اور رواج اس درجہ تھا کہ ایک ایک محدث کے حلقہ درس میں دس دس ہزار طلبہ کا شریک ہو جانا معمولی بات تھی، حافظ شمس الدین ذہبی ”تذکرۃ الحفاظ“ میں آٹھویں طبقہ کے (جو امام ابن ماجہ کے شیوخ کا طبقہ ہے) ایک سو تیس اکابر حفاظ حدیث کا ذکر کر کے لکھتے ہیں: ”ولعل قد أہملنا طائفة من نظرائہم، فان المجلس الواحد فی هذا الوقت كان یجتمع فیہ ازید من عشرة آلاف محبرة، یکتبون الآثار النبویة و یعنون بہذا الشأن و بینہم نحو من مائتی امام قد ہرزوا و تأہلوا للفتیاء“ (۱) (اور غالباً ہم سے ان ہی کے ہم پایہ حفاظ حدیث کی ایک جماعت کا ذکر رہ گیا ہے، کیونکہ اس عہد میں ایک ایک مجلس میں دس دس ہزار سے زائد دوا تیں جمع ہوتی تھیں، اور لوگ احادیث نبوی کی کتابت میں مصروف اور اس فن پر متوجہ تھے، اور ان میں تقریباً دو سو امام ایسے تھے جو بالکل نمایاں تھے، اور فتوے دینے کے اہل تھے)

حافظ ذہبی نے دس ہزار طلبہ کی جو تعداد بتائی ہے یہ عام حلقہ

(۱) تذکرۃ الحفاظ، ج: ۱۰/۱۲، طبع جدید

ہائے درس کی ہے، ورنہ خاص خاص ائمہ حفاظ کی مجلس اطالیہ میں یہ تعداد اس سے کئی کئی گنا زیادہ ہوتی تھی، جو کبھی ایک لاکھ سے بھی اوپر پہنچ جاتی تھی، چنانچہ مسند عراق، امام حافظ ابوالحسن علی بن عاصم واسطی جو امام ابوحنیفہ کے مشہور شاگرد ہیں، ان کے حلقہ درس میں تیس ہزار سے زیادہ کا اجتماع ہوتا تھا۔ (۱)

(۱) تذکرۃ الحفاظ، تذکرہ علی بن عاصم، یہی وہ حلقہ درس تھا کہ جس میں بڑے بڑے نامور ائمہ حدیث مثلاً: امام احمد بن حنبل، محمد بن یحییٰ ذہلی، عبد بن حمید، یعقوب بن شیبہ، حارث بن ابی اسامہ وغیرہ نے حاضر ہو کر آپ کے سامنے زانوئے شاگردی تہ کیا ہے، امام موصوف کا بیان ہے کہ میرے والد بزرگوار نے ایک لاکھ درم مجھ کو دیئے تھے اور یہ کہہ دیا تھا کہ جاؤ اب بغیر ایک لاکھ حدیثوں کے میں تمہاری صورت نہ دیکھنے پاؤں، ہونہار فرزند نے باپ کی توقع کو ضائع نہیں کیا، اور اپنی سنی تبلیغ سے اس فن میں وہ کمال حاصل کیا کہ دربار علم سے آپ کو مسند العراق اور الامام الحفاظ کے خطابات عطا کئے گئے، چنانچہ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں جب آپ کا تذکرہ لکھا تو ان ہی گفتوں سے شروع کیا ہے (تذکرۃ الحفاظ)

علی بن عاصم، امام اعظم کے خصوصی ملازمہ میں سے تھے، حدیث و فقہ کا بیشتر علم انہوں نے امام صاحب ہی سے حاصل کیا ہے، چنانچہ صدر الائمہ موفق بن احمد کی التوفیٰ ۵۶۸ھ مناقب الامام الاعظم میں رقم طراز ہیں: "وعلی بن عاصم ہذا امام اہل واسط فی الحدیث والفقہ و انواع العلوم اکثر عن ابی حنیفہ رواۃ الحدیث والفقہ" (تذکرۃ الحفاظ، ج: ۴۷۱۲) (یہ علی بن عاصم حدیث، فقہ اور دیگر انواع علوم میں اہل واسط کے امام ہیں، انہوں نے امام ابوحنیفہ سے حدیث و فقہ کی بکثرت روایت کی ہے) چونکہ انہوں نے امام صاحب سے بہت زیادہ علمی استفادہ کیا تھا اس لیے ان کو امام صاحب کے علم پر پرائے قائم کرنے کا کافی موقع ملا تھا، ان کا قول ہے: "تو وزن علم ابی حنیفہ باہل زمانہ لرجح علم ابی حنیفہ" (اگر ابوحنیفہ کے علم کا ان کے اہل زمانہ کے علم کے ساتھ موازنہ کیا جائے تو ابوحنیفہ کے علم کا پلہ ہماری رہے گا)

ان کو امام اعظم سے تعلق اور محبت اس درجہ تھی کہ ان کے شاگرد جب یہ محسوس کرتے کہ استاد تازہ دم ہو کر پھر طلبہ کی طرف متوجہ ہوں اور درس کا سلسلہ دیر تک جاری رہے تو فوراً امام صاحب اور غیرہ بن مقسم کوفہ کے مشہور فقیہ جو امام صاحب کے معاصر تھے کا ذکر چھیڑ دیتے اور یہ تازہ دم ہو کر پھر کثرت سے روایتیں بیان کرنا شروع کر دیتے۔ (مناقب موفق، ج: ۴۷۱۲، ۱۰۵) اور میں پیدا ہوئے اور ۲۰ھ میں وفات پائی۔

ان ہی کے صاحبزادہ ہیں، امام ابوالحسین عاصم بن علی واسطی التوفیٰ ۲۲۱ھ جو امام بخاری کے بھی شیوخ میں ہیں، اور ان سے انہوں نے اپنی صحیح میں حدیثیں روایت کی ہیں ان کے متعلق حافظ ذہبی، تذکرۃ الحفاظ میں رقم طراز ہیں: ”قدم بغداد وأملی بہا و تزاحموا علیہ“ (یہ بغداد آئے، وہاں حدیث کی املاء کرائی، اور لوگوں کا ان کے پاس ازدحام لگ گیا)

ابوالحسین بن المبارک کا بیان ہے کہ ان کی مجلس درس میں حاضرین کا اندازہ ایک لاکھ نفوس سے اوپر کا کیا جاتا تھا، ہارون نامی مستملی کھجور کے ایک درخت پر چڑھ کر ان کی طرف سے مستملی (نائب جو شیخ کے الفاظ کو دور تک پہنچا سکے) ہوتے تھے، عمر بن حفص سدوسی کہتے ہیں کہ شہزادہ معتم نے (جو آگے چل کر مامون کے بعد خلیفہ ہوا) ایک بار اپنے کارندوں کو ہمارے شیخ عاصم کی مجلس املاء میں جو ”رحبۃ الخلل“ (بغداد کے نخلستان کا وسیع میدان) میں منعقد ہوا کرتی تھی، شرکاء درس کا اندازہ کرنے کے لیے بھیجا، عاصم چھت پر بیٹھ کر عام آدمیوں کو سنایا کرتے تھے (خلقت کے ہجوم کی یہ کیفیت تھی) کہ خود میں نے ایک دن سنا کہ وہ کہتے جاتے تھے ”حدثننا اللیث بن سعد“ اور کثرت ازدحام کے باعث چونکہ لوگوں کے کانوں تک آواز نہیں پہنچ رہی تھی اس لیے وہ برابر ان سے پوچھتے جاتے تھے یہاں تک کہ یہی کلمہ ان کو چودہ دفعہ دہرانا پڑا، اس مجلس میں ہارون مستملی بھی ایک خمدار کھجور کے درخت پر چڑھ کر ان کی آواز پہنچا رہے تھے، معتم کے کارندوں نے جب اس مجلس کے شرکاء کا اندازہ کیا تو حاضرین کی تعداد ایک لاکھ بیس ہزار پر پہنچی، ان ہی کے

متعلق جلی کہتے ہیں کہ میں عاصم بن علی کی مجلس درس میں شریک تھا اس روز جب لوگوں نے اس مجلس کے حاضرین کا اندازہ لگایا تو ایک لاکھ ساٹھ ہزار تھے“۔ (۱) (۲)

دروس حدیث کی اس کثرت کے ساتھ ساتھ اسی زمانہ میں تصنیف و تالیف کا بھی وہ کام ہوا کہ جس کی نظیر کسی دوسرے دور میں پیش نہیں کی جاسکتی، کثرت سے مسانید و معاجم تیار کی گئیں جن میں مسند احمد کو قبول عام حاصل ہوا، ان کے علاوہ صحاح ستہ جن کی مقبولیت پر خاص و عام متفق ہیں، اسی دور کی یادگار ہیں، ان کی تفصیل میں جانے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ کچھ تذکرہ فن اسماء الرجال اور فن جرح و تعدیل کا بھی کر دیا جائے، جو اگرچہ مستقل ایک فن ہے، لیکن درحقیقت وہ علم حدیث ہی کا ایک جزء ہے، تحفظ حدیث ہی کے لیے اس کا وجود ہوا، اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کی حفاظت کا جو وعدہ فرمایا تھا اس کے نتیجہ میں صرف یہی نہیں کہ دین کی حفاظت ہوئی، بلکہ امت کے جن افراد نے تحفظ کا کام کیا، حدیثیں سنیں اور سنائیں، ان کو بھی اللہ تعالیٰ نے قبولیت بخش اور قیامت تک کے لیے ان کے حالات محفوظ کر دیئے، یہ صرف اسی فن حدیث کا فیض ہے کہ آج لاکھوں افراد کے حالات زندگی تاریخ کی زینت ہیں۔

فن اسماء الرجال

پہلی صدی کا آغاز ہوا تو ان حالات میں کہ اسلام کا جو بیج مکہ مکرمہ کی مقدس سرزمین پر ڈالا گیا تھا، وہ مدینہ منورہ میں برگ و بار لایا تھا، جانثاروں کی ایک ایسی جماعت تیار ہو گئی تھی کہ تاریخ عالم اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے، حجۃ الوداع

(۱) تہذیب النہذیب، تذکرۃ امام موصوف

(۲) ابن ماجہ اور علم حدیث، ص: ۲۰-۲۱

کے موقع پر ایک لاکھ چوبیس ہزار چنانچہ موجود تھے، یہ وہ صحابہ رسول تھے جن کو ”رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ“ (اللہ ان سے راضی اور وہ اللہ سے راضی) کا پروانہ مل چکا تھا، ان کا ایک ایک فرد صادق اور عادل تھا، علماء اہل سنت اس پر متفق ہیں کہ ”الصحابۃ کلہم عدول“ ان کے بارے میں غور و فکر کی ضرورت ہی نہ تھی، کہ کون عادل ہے اور کون غیر ثقہ، ان میں سے کون وہ ہیں جو وہم کا شکار ہو جاتے ہیں اور کون ہیں جو اس سے محفوظ ہیں، اللہ تعالیٰ نے اس پوری جماعت کو تحفظ دین کے لیے تیار کیا تھا، اس لیے وہ اس طرح کے احتمالات سے بلند تھے۔

لیکن جب پہلی صدی کا اختتام ہونے کو آیا تو ان کی اکثریت اس عالم فانی سے رخصت ہو چکی تھی، اور جو رہ گئے تھے وہ چراغ سحری ہو رہے تھے، تابعین عظام کی بڑی جماعت موجود تھی جنہوں نے صحابہ سے کسب فیض کیا تھا، اور دین سیکھا تھا، یہ جماعت تابعین بھی بڑی پاکیزہ جماعت تھی، ان میں سے جن حضرات نے صحابہ کی زیارت کی تھی ان کو طویل صحبت کا موقع نہ مل سکا تھا، ان میں بہت سے ایسے بھی ہوئے جن کے حافظہ پہلوں جیسے نہ رہ گئے تھے اور ان کو وہم ہو جاتا تھا، جس کی بنا پر وہ کبھی مرفوع روایات کو موقوف اور موقوف کو مرفوع کر جاتے تھے، اس لیے دوسری صدی میں اس کی ضرورت پیش آئی کہ روایات کے اخذ و قبول میں احتیاط برتی جائے، اور ان لوگوں کی نشاندہی کر دی جائے جو اس طرح کی غلطیاں کر جاتے ہیں، پھر ان ہی کی ایک جماعت میں بعض ایسے لوگ بھی داخل ہو گئے جو جان بوجھ کر حدیثیں گڑھنے لگے دین کو مسخ کرنے کے لیے یا دنیا کے حصول کے لیے، اس وقت اس کی ضرورت بڑھ گئی کہ صراحت کے ساتھ ان لوگوں کو نشان زد کر دیا جائے تاکہ لوگ غلط نہی میں نہ پڑ جائیں، اور ان کے حصول اور روایات کے قبول کرنے میں ان کو دھوکہ نہ ہو، (۱) یہیں سے علم جرح و تعدیل کی بنیاد پڑی اور علماء نے صراحت کے ساتھ روایات حدیث کے بارے میں فیصلے کرنے شروع کئے، اس دین کو قیامت تک کے لیے باقی

رہنا تھا اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کو پہچاننے کا ایسا ملکہ عطا فرمایا کہ انہوں نے دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی کر دیا، اس لیے انہوں نے سخت محنت کی، شہر شہر، گاؤں گاؤں پھرے، اور حدیث کے روایت کرنے والوں کے بارے میں پوری تحقیقات کیں، بعض ائمہ کو اس فن میں ایسی مہارت حاصل ہوئی کہ انہوں نے اگر کسی کے بارے میں کوئی فیصلہ کر دیا تو وہ حرف آخر ثابت ہوا، بعد کی تحقیقات نے ان ہی کی بات درست قرار دی، ان میں امام یحییٰ بن سعید القطان اور امام عبدالرحمن بن مہدی خاص طور پر سر فہرست ہیں، امام ابوحنیفہ کا نام بھی ان متقدمین کی فہرست میں آتا ہے جنہوں نے سب سے پہلے جرح و تعدیل کی بنیاد ڈالی، ان کا یہ جملہ مشہور ہے، امام ترمذی نے کتاب العلم میں اس کو اپنی سند سے نقل کیا ہے ”ما رأیت اکذب من جابر الجعفی“ (میں نے جابر جعفی سے بڑھ کر جھوٹا نہیں دیکھا)

ظاہر ہے کہ اس کا مقصد کسی کی ذات کو بے ضرورت مجروح کرنا نہیں تھا بلکہ یہ اس لیے تھا کہ لوگ ایسے راویوں سے ہوشیار رہیں اور ان سے روایات نقل کرنے میں احتیاط سے کام لیں۔

کچھ ہی عرصہ گزرنے پر جب سلسلہ سند طویل ہوا اور راوی اور صحابی کے مابین دودھ، تین تین واسطے ہونے لگے تو باقاعدہ اس کی ضرورت پیش آئی کہ راویوں کے سنہ ولادت و وفات کی بھی تحقیق رہے تاکہ درمیان میں انقطاع کا جاننا آسان ہو، انہوں نے کن کن علاقوں کے سفر کئے، کن مشائخ سے روایات لیں، حالات زندگی کے ساتھ ان کی یہ تفصیلات بھی علم جرح و تعدیل کا جزء بن گئیں، اور یہیں سے باقاعدہ اسماء

(۱) (جیسا کہ غیاث بن ابراہیم کے عمل سے ظاہر ہے، جب وہ خلیفہ مہدی کے دربار میں حاضر ہوا تو اس کو کوتر کے ساتھ تفریح کرتے دیکھ کر فوراً سبق..... والی روایت بیان کی اور خلیفہ کو خوش کرنے کے لیے او جناح کا اضافہ کر دیا) (نزہة النظر فی شرح نعبۃ الفکر، فی

فصل ”کیف يعرف الوضع“ ص: ۷۰

الرجال کا فن وجود میں آیا، جس نے بعد میں اتنی ترقی کی لاکھوں لاکھ راویوں کے حالات، تاریخ و رجال کی کتابوں میں محفوظ ہو گئے، اسلام نے جہاں دنیا کو سب سے بڑا تحفہ ہدایت اور نجات ابدی کا دیا، وہیں اس نے دنیا کو علم کی روشنی سے بھر دیا، کتنے علوم وہ ہیں جو اسلام کے رہن منت ہیں، اسلام سے پہلے کی معتبر تاریخ وہی ہے جو مسلمانوں نے نقل کی ورنہ دوسری قومیں اس فن ہی سے نابلد تھیں، اسماء الرجال کے فن سے تاریخ کو جس طرح وسعت ہوئی وہ ہر صاحب نظر جانتا ہے، ڈاکٹر اسپرنگر کا یہ اعتراف مشہور عام ہو چکا ہے کہ تہا فن اسماء الرجال کا یہ کارنامہ ہے کہ ساڑھے چار لاکھ لوگوں کے حالات آج تاریخ کے صفحات میں محفوظ ہیں۔

صحاب ستہ کی اصطلاح تاریخ کی روشنی میں

تمام امتوں میں اس امت کا یہ سب سے نمایاں امتیاز ہے کہ جب بھی ضرورت پیش آئی اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے افراد تیار فرمادئے، فتنہ ارتداد سے لے کر فتنہ اعتراض تک تاریخ میں اس کی تابناک مثالیں موجود ہیں، اور اس کے بعد بھی موجودہ دور تک ہر جگہ اور ہر زمانہ میں جیسے فتنے کھڑے ہوئے اس کے مقابلہ کے لئے اللہ تعالیٰ نے اسی طرح ایسے افراد کھڑے کر دئے جنہوں نے ان فتنوں کا مقابلہ کیا اور امت کو صحیح غذا فراہم کی، اسلام کی پوری تاریخ دعوت و عزیمت ایسے اصحاب دعوت و ارشاد اور اصحاب علم و عرفان سے روشن ہے جن کی نظیر دوسری قومیں پیش کرنے سے قاصر ہیں صرف ایک شرح بخاری فتح الباری ہی کو لے لیجئے علم کا وہ ایسا سمندر ہے کہ دنیا کی کوئی قوم ایسی کتاب پیش نہیں کر سکتی، یہ امت امت علم ہے، علم کے وہ سوتے اس امت کے افراد سے جاری ہوئے ہیں جن سے ساری دنیا فائدہ اٹھا رہی ہے اور قیامت تک فائدہ اٹھاتی رہے گی۔

رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد صحابہ کرام اس دین کے حامل و ترجمان

تھے، ان کے سینوں میں ارشادات نبوی کا وہ خزانہ تھا جس پر اس دین کی بنیاد ہے، جب وہ اس دنیا سے رخصت ہونے لگے تو پہلا مرحلہ ان ارشادات کی تدوین و حفاظت کا تھا اللہ تعالیٰ نے ایسے افراد پیدا فرمائے جنہوں نے چھان پھنک کر احادیث رسول اللہ ﷺ کو لکھنا شروع کیا، دفتر کے دفتر تیار ہو گئے، امام زہری کی علمی خدمات کا اندازہ حضرت معمر کے اس بیان سے ہوتا ہے: ”ہم سمجھتے تھے کہ زہری سے ہم نے بہت کچھ حاصل کر لیا لیکن جب ولید بن یزید کا قتل ہوا تو سرکاری خزانہ سے زہری کے علمی دفاتر سوار یوں پر بار کر کے لائے گئے“ (تذکرۃ الحفاظ، ترجمہ امام زہری) احادیث رسول اللہ کے ساتھ اقوال صحابہ بھی شامل کئے گئے لیکن پوری وضاحت اور تفصیل کے ساتھ۔

ابتداء کی دو صدیوں میں یہ کام ہوا اور خوب ہوا کہ دوسری صدی میں جب قوی کمزور ہونے لگے تو اس کی ضرورت شدت سے محسوس ہوئی کہ احادیث کے ایسے مختصر مجموعے تیار ہونے چاہئیں جن سے استفادہ آسان ہو، اللہ تعالیٰ نے اس کام کے لئے بھی ایک ایسی جماعت تیار کر دی جو ایک طرف علمی جہت کی شنا اور اس کی فنی باریکیوں کی ماہر تھی تو دوسری طرف زہد و تقویٰ اور اخلاص و احتیاط میں اس کو بلند مقام حاصل تھا، اس کے علاوہ اس جماعت کی بڑی خصوصیت اس کی وہ انتھک محنت اور مسلسل جدوجہد ہے جو بجائے خود قابلِ صدر رشک ہے اس جماعت محدثین نے حدیث کے خزانے کو جانچا اور پرکھا اور لاکھوں حدیثوں کا انتخاب امت کی ضرورت کو سامنے رکھتے ہوئے امت کے سامنے پیش کیا۔

اس جماعت کے سرخیل حضرت امام بخاریؒ ہیں جن کو اس پوری جماعت میں اولیت و تقدم حاصل ہے، ان کی سب سے بڑی خصوصیت صحیح ترین روایات کا انتخاب ہے دوسرا ان کا سب سے بڑا امتیاز ان کے وہ تراجم ابواب ہیں جو علوم کا خزانہ ہیں، اور اس سے امام صاحب کے تفقہ و استنباط کی زبردست صلاحیت سامنے آتی ہے۔

حضرت امام مسلمؒ نے اس کام کو آگے بڑھایا ہے، ان کا سب سے بڑا امتیاز یہ ہے کہ انہوں نے اپنی کتاب میں سوائے ارشادات رسول کے اور کسی دوسری چیز کو درج نہ کر کے اپنی کتاب کو خالص بنایا ہے۔

ان دونوں حضرات شیخین کے علاوہ امام نسائی، امام ابوداؤد، امام ترمذی اور امام ابن ماجہؒ نے لوگوں کی ضرورت کو سامنے رکھتے ہوئے کتابیں تیار کیں، جن کی مستقل الگ الگ خصوصیات ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان چھ کتابوں کو ایسی شہرت و مقبولیت بخشی کہ ”الکتاب الستة في الاسلام“ (اسلام کی چھ کتابیں) کا جب بھی تذکرہ ہوتا ہے تو یہی چھ کتابیں مراد ہوتی ہیں۔

سطور بالا میں یہ بات گزر چکی ہے کہ احادیث کے مختصرات تیار کرنے کی ضرورت پیش آئی تو یہ سلسلہ چل پڑا متعدد علماء و ائمہ نے یہ کام کیا اور دسیوں کتابیں تیار ہو گئیں جن میں متعدد کتابیں بڑی اہمیت کی حامل تھیں، تیسری صدی ہجری تدوین حدیث کا سب سے سنہری دور ہے، اسی دور میں صحاح ستہ کی بھی تدوین ہوئی، انفرادی طور پر ان کتابوں کی اپنی اپنی جگہ اہمیت مسلم تھی۔ لیکن مجموعی طور پر سب سے پہلے ان کتابوں کی طرف حافظ سعید (۳۵۳ھ) نے توجہ دلائی جو ان اصحاب صحاح کے شاگردوں اور شاگردوں کے شاگردوں کے ہم عصر ہیں، علامہ بن حزم کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ حافظ ابن سکن کی خدمت میں محدثین کی ایک جماعت حاضر ہوئی اور انہوں نے عرض کیا کہ ہمارے سامنے حدیث کی متعدد کتابیں آئی ہیں، اگر شیخ ان میں سے کچھ ایسی کتابوں کی طرف رہنمائی کر دیں جن پر ہم اکتفاء کریں تو بہتر ہے۔ حافظ صاحب جواب دینے کے بجائے گھر تشریف لے گئے اور کتابوں کے چار دفتر لاکر تلے اوپر رکھ دئے اور فرمایا: ”هذه قواعد الاسلام، کتاب مسلم و کتاب البخاری، و کتاب ابی داؤد و کتاب النسائی“ (۱) ”یہ اسلام کی بنیادیں ہیں،

مسلم کی کتاب، بخاری کی کتاب، ابوداؤد کی کتاب اور نسائی کی کتاب۔“

اسی طرح سب سے پہلے یہ چار کتابیں لوگوں کی توجہ کا مرکز بنیں، حافظ ابن مندہ اپنی صحیح میں لکھتے ہیں: ”الأئمة الأربعة الذين أخرجوا الصحيح وميزوا ما به من سقيه وخطاه من صوابه هم البخاري ومسلم وأبو داؤد والنسائي“ (۱) (وہ چار ائمہ جنہوں نے احادیث صحیحہ کی تخریج کی، مضبوط و کمزور سے جدا کیا، غلط کو صحیح سے الگ کیا وہ یہ ہے بخاری، مسلم، ابوداؤد اور نسائی)

عرصہ تک ان چار کتابوں پر توجہ مرکوز رہی ہے، غالباً سب سے پہلے امام ابو اسماعیل بن محمد انصاری نے سنن ترمذی کی طرف لوگوں کو متوجہ کیا، ان کے سامنے جب اس کتاب کا ذکر آیا تو فرمانے لگے: ”کتابہ هذا أنفع من كتاب البخاري ومسلم لان كتاب البخاري ومسلم لا يقف على الفائدة منهما الا المتبحر العالم وكتاب ابى عيسى يصل الى فائدته كل أحد من الناس“ (۲) (میرے نزدیک یہ کتاب بخاری و مسلم کی کتاب سے بھی زیادہ مفید ہے اس لئے کہ ان دونوں کتابوں سے تبحر علماء ہی فائدہ اٹھا سکتے ہیں اور ترمذی کی کتاب سے ہر شخص استفادہ کر سکتا ہے)۔

اس طرح چار کتابوں میں مزید ایک کتاب کا اضافہ ہوا، حافظ یوسف بن احمد فرماتے ہیں: ”لأبى عيسى فضائل تجمع وتروى وتسمع، وكتابہ من الكتب الخمسة الى اتفق أهل الحل والعقل والفضل والفقہ من العلماء، والفقهاء، وأهل الحديث النبء على قبولها والحكم بصحة اصولها“ (امام ابویسی ایسے فضائل کے حامل ہیں جن کو لکھا جاتا ہے، بیان کیا جاتا ہے، اور سنایا جاتا ہے، ان کی کتاب ان پانچ کتابوں میں داخل ہے جس کی قبولیت اور ان کے

(۲) تہذیب التہذیب، ترجمة عكرمة مولی بن عباس

(۳) شروط الأئمة الستة: ۱۶

اصول کی صحت کے فیصلہ پر علماء، فقہاء، اور اکابر محدثین میں سے اہل حل و عقد اور ارباب فضل و دانش نے اتفاق کیا ہے) (۱)

حافظ ابوطاہر السلفی نے ان پانچوں کتابوں کا تذکرہ کرنے کے بعد لکھا ہے: "قد اتفق علی صحتها علماء الشرق والغرب" (۲) (ان کتابوں کی صحت پر مشرق و مغرب کے علماء متفق ہیں)

عرصہ تک یہ پانچ کتابیں خاص طور پر متداول رہیں، کتب خمسہ کی اصطلاح ان ہی پانچ کتابوں کے ساتھ مخصوص تھی۔ سب سے پہلے بزرگ جنہوں نے اس میں چھٹی کتاب شامل کی حافظ ابوالفضل محمد بن طاہر مقدسی (۵۰۷ھ) ہیں جنہوں نے "شروط الأئمة الستة" اور "أطراف الكتب الستة" دو مشہور کتابیں تصنیف کیں اور ان پانچ کتابوں کے ساتھ سنن ابن ماجہ کو بھی شامل کیا، یہاں سے صحاح ستہ کی اصطلاح شروع ہوئی، امام سیوطی نے لکھا ہے: "فنابعه أصحاب الألفاظ والرجال" (۳) (پھر مصنفین الطاف ورجال نے ان ہی کی پیروی کی)

اور یہ سلسلہ چل پڑا، ان چھ کتابوں کے رجال پر سب سے پہلے حافظ عبدالغنی مقدسی نے "الاکمال فی أسماء الرجال" تصنیف کی اسی کتاب کی تنقیح امام مزنی نے کی اور "تہذیب الکمال" نام رکھا، پھر حافظ ابن حجرؒ نے مزید اس کی تلخیص و تنقیح کا کام کیا "تہذیب التہذیب" اس کا نام رکھا۔

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ چھٹی صدی کے آغاز ہی میں یہ اصطلاح بن گئی تھی، لیکن اس کو عمومی شہرت بعد میں حاصل ہوئی کہ حافظ ابن صلاح اور امام نوویؒ نے معتمد

(۱) یہی وجہ ہے کہ صحاح ستہ میں سب سے پہلے سنن ترمذی کا درس ہوتا ہے اس کے بعد دوسری کتابیں پڑھائی جاتی ہیں

(۲) ابن ماجہ اور علم حدیث: ۲۲۷، بحوالہ شرح ترمذی لابن سید الناس مخطوط

(۳) المفصل فی علوم الحدیث: ۱۲۰

علیہ کتابوں کے سلسلہ میں پانچ ہی کتابوں کے مصنفین کے وفیات ذکر کی ہیں، اس کی وجہ غالباً یہ بھی رہی ہے کہ ابتداء میں چھٹی کتاب کے سلسلہ میں مشرق و مغرب کے علماء میں اختلاف رہا ہے، اہل مشرق کے نزدیک وہ کتاب سنن ابن ماجہ ہے لیکن اہل مغرب نے امام مالک کی مؤطا کو چھٹی کتاب کے طور پر کتب ستہ میں شامل کیا ہے۔

حافظ ابن طاہر جنہوں نے سب سے پہلے سنن ابن ماجہ کو چھٹی کتاب کے طور پر کتب ستہ میں شامل کیا ہے، انکے معاصر محدث رزین بن معاویہ عبدری (۵۲۵ھ) نے سنن ابن ماجہ کے بجائے مؤطا کو اس میں شامل کیا ہے، اور اپنی کتاب (۱) میں کتب خمسہ کے ساتھ سنن ابن ماجہ کے بجائے مؤطا امام مالک کی حدیثوں کو درج کیا ہے، لیکن متاخرین اس بات پر تقریباً متفق ہیں کہ ابن ماجہ ہی کو صحاح ستہ میں شمار کیا جائے، امام ابوالحسن سندھی لکھتے ہیں: ”غالب المتأخرین علی أنه سادس السنة“ (۲) مشہور مؤرخ ابن خلکان لکھتے ہیں: ”و کتابہ فی الحدیث أحد الصحاح السنة“ (۳) (ان کی کتاب حدیث میں صحاح ستہ میں سے ایک ہے) حافظ ابن کثیر (۶۷۷ھ) ”الباعث الحثیث“ میں تحریر فرماتے ہیں: ”ابو عبد اللہ محمد بن یزید ابن ماجہ القزوی صاحب السنن الیٰ کامل بہا الکتاب السنة والسنن الأربعة بعد الصحیحین“ (۴) (ابو عبد اللہ محمد بن یزید ابن ماجہ قزوینی اس سنن کے مصنف ہیں کہ جس سے صحاح ستہ نیز صحیحین کے بعد سنن اربعہ کی تکمیل ہو جاتی ہے)

(۱) تدریب الراوی: ۳۰

(۲) التجرید الصحاح السنة

(۳) ابن ماجہ اور علم حدیث: ۲۳۳ بحوالہ شرح ابن ماجہ از سندھی

(۴) وفیات الأعیان، ترجمہ ابن ماجہ

باب دوم صحابہ ستہ اور ان کے مصنفین

امام بخاریؒ

پوری اسلامی تاریخ میں صحابہ کرام کے بعد جو چند گنے چنے نقوش قیامت تک کے لیے صد مایہ افتخار ہیں، ان میں امام بخاریؒ کا نام نامی بھی شامل ہے، ان کا احسان پوری امت پر یہ ہے کہ انہوں نے منتخب احادیث کا ایسا مجموعہ امت کے سامنے پیش کیا جس پر ”اصح الصحاح بعد کتاب اللہ“ کی مہر ثبت کر دی گئی، علمائے امت نے قرآن مجید کے بعد اس کتاب کی جتنی خدمت کی کوئی دوسری کتاب اس کے قبول عام میں اس کی شریک نہیں، یہی وجہ ہے کہ امام صاحبؒ کی محبت احادیث و سنت سے شغف رکھنے والے ہر مسلمان کے دل میں ہے، بلکہ ایک عامی بھی کسی نہ کسی درجہ دل میں ان کے لیے ایک دھڑکن محسوس کرتا ہے، ان کو بجا طور پر ”امیر المؤمنین فی الحدیث“ کا لقب حاصل ہے، ان کی اس مقبولیت میں ان کی ذہانت، قوت حافظہ، محنت شاقہ کے علاوہ تقویٰ، دیانت داری، خشیت الہی اور اخلاص و لٹہیت کو خاص دخل ہے، اکل حلال کے اہتمام کا بھی ان کی اس مقبولیت میں خاص حصہ ہے، جو صرف امام صاحبؒ ہی کا نہیں بلکہ ان کے خاندان کا امتیاز تھا۔

والد ماجد

والد ماجد شیخ اسماعیلؒ دیندار گھرانے سے تعلق رکھتے تھے، ان کے والد مغیرہ والی بخاری ایمان پھٹی کے ہاتھ پر مسلمان ہوئے تھے، امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ ”میرے والد نے امام مالکؒ سے حدیثیں سنی ہیں، حضرت حماد بن زید کو دیکھا ہے اور حضرت عبداللہ بن مبارکؒ سے دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کیا ہے“۔ (۱)

شیخ اسماعیلؒ اپنے زمانہ کے پرہیزگار لوگوں میں تھے، تقویٰ مزاج میں داخل تھا، احتیاط کا حال یہ تھا کہ مشتبہ مال بھی کبھی گھر میں داخل نہیں ہوا، احمد بن حفص فرماتے ہیں کہ میں مرض الموت میں عیادت میں گیا تو فرمانے لگے کہ ”میں اپنے مال میں ایک درہم بھی حرام نہیں پاتا اور نہ ہی مشتبہ مال میں کوئی درہم میرے پاس ہے“ (۲) والدہ ماجدہ بھی بڑی صالحہ اور بزرگ خاتون تھیں، دعا و مناجات کا ان کو خاص ذوق حاصل تھا۔

ولادت اور بچپن

شوال ۱۹۴ھ میں ولادت ہوئی، والد کا انتقال بچپن میں ہو گیا تھا، والدہ نے بڑی دل سوزی سے ان کی تربیت کی، مشہور ہے کہ بچپن ہی میں ان کی بینائی چلی گئی تھی، ان کی والدہ پر اس کا بڑا اثر تھا، انہوں نے رور و کران کے لیے دعائیں کی تھیں، ایک شب انہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خواب میں دیکھا کہ وہ ان کو خطاب فرما رہے ہیں: ”اللہ نے تمہاری گریہ و زاری سن لی اور تمہارے فرزند کی بینائی واپس کر دی، صبح ہوئی تو انہوں نے اپنے فرزند کو بینا پایا“ (۳)

بچپن ہی سے اللہ تعالیٰ نے ان کو بڑی ذہانت اور قوی حافظہ عطا فرمایا تھا، کتب کی تعلیم کے دوران ہی ان کو حفظ حدیث کا شوق ہو گیا تھا، گیارہ سال کی عمر سے انہوں نے محدثین کے درس میں بیٹھنا شروع کر دیا تھا، اس وقت تک ان کو خاصی تعداد حفظ ہو چکی تھی

(۱) سیر أعلام النبلاء: ۳۹۲/۱۲ (۲) سیر أعلام النبلاء: ۴۴۷/۱۲

(۳) تہذیب الکمال: ۱۱۷۰، مقدمہ فتح الباری: ۵۶۰، سیر أعلام النبلاء: ۳۹۳/۲

اور ذہانت کا یہ عالم تھا کہ اسانید کا فروق سمجھنے لگے تھے، اسی زمانہ کا اپنا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ ”میں محدث داغلی کے درس میں شریک ہونے لگا تھا، ایک دن وہ احادیث سناتے ہوئے ایک سند کا ذکر اس طرح کرنے لگے، ”سفیان عن ابی الزبیر عن ابراہیم“ (سفیان ناقل ہیں ابوالزبیر اور وہ ابراہیم سے نقل کرتے ہیں) میں نے کہا: ابوالزبیر ابراہیم سے روایت نہیں کرتے، شیخ نے مجھے جھڑک دیا، میں نے کہا: اصل دیکھ لیجئے، اندر تشریف لے گئے، دیکھ کر باہر آئے اور کہنے لگے، بیٹے سند کس طرح ہے؟ میں نے کہا ”ہو الزبیر بن عدی عن ابراہیم“ زبیر بن عدی ابراہیم روایت کرتے ہیں، انہوں نے مجھ سے قلم لیا اور اپنی کتاب کی تصحیح کی اور فرمایا: تم ٹھیک کہتے ہو، امام صاحب سے پوچھا گیا کہ اس وقت آپ کی کیا عمر تھی؟ فرمایا ”گیارہ سال، سولہ سال کا ہوا تو اس وقت تک میں عبداللہ بن مبارک، کعب اور دوسرے حضرات کی تصنیفات حفظ کر چکا تھا“۔ (۱) سبزہ آغاز ہونے سے پہلے پہلے ان کو ستر ہزار سے زائد حدیثیں یاد ہو چکی تھیں۔

طلب علم کے لیے اسفار

”بخاری“ میں امام صاحب نے ابتدائی تعلیم حاصل کی، محدثین سے استفادہ کیا اور کتابیں حفظ کر لیں، ۲۱۰ھ کے بعد پہلا سفر والدہ اور بھائی کے ساتھ حجاز مقدس کا کیا، حج کی سعادت حاصل کی، حج سے فارغ ہو کر والدہ اور بھائی وطن واپس ہوئے، امام صاحب طلب علم کے لیے وہیں ٹھہر گئے اور وہاں کے کبار شیوخ سے حدیثیں سنیں، پھر ان تمام اسلامی سینٹروں کو چھان مارا جہاں محدثین و علماء کے مراکز تھے، وہ خود فرماتے تھے کہ ”میں نے ایک ہزار اسی (۱۰۸۰) مشائخ حدیث سے حدیثیں لکھیں ہیں“ (۲)

حصول علم میں انہماک

امام صاحب کے قوت حافظہ کے واقعات ایسے ہیں کہ عقلمیں دنگ رہ جائیں، خود ان کے معاصرین کو ان پر حیرت ہوتی تھی، لوگوں میں مشہور ہو گیا تھا کہ انہوں نے قوت

(۱) سیر اعلام النبلاء: ۳۹۳/۲، مقدمہ: ۵۶۰ (۲) سیر اعلام النبلاء: ۳۹۵/۱۲

حفظ کی کوئی دوا لی ہے، نجم بن فضیل نے ایک مرتبہ تنہائی میں ان سے دریافت کیا کہ ”توت حفظ کے لیے کیا کوئی دوا مفید ہے؟ فرمایا: مجھے علم نہیں، پھر کچھ توت قف کے بعد فرمانے لگے، توت حفظ کے لیے انہماک اور مستقل مراجعت سے زیادہ مفید اور کچھ نہیں“ (۱)

خود ان کے اس دوام نظر اور بار بار مراجعت کا حال امام کے ہم وطن محمد بن یوسف بخاری یوں بیان فرماتے ہیں کہ ”میں نے ایک رات محمد بن اسماعیل (امام بخاری) کے گھر بسر کی، میں نے شمار کیا کہ وہ رات میں اٹھارہ مرتبہ اٹھے، چراغ جلایا، کچھ لکھا (پھر لیٹ گئے)“ (۲)

ابوحاتم و زائق کہتے ہیں کہ ”میں سفر میں ہوتا تو رات امام صاحب کے ساتھ گزارتا، میں دیکھتا تھا کہ وہ رات میں پندرہ بیس مرتبہ اٹھتے ہیں، نوشتہ احادیث نکال کر کچھ نشانات وغیرہ لگاتے ہیں“۔ (۳)

شروع ہی سے انہوں نے زندگی کے لحوہ لحوہ کو خدمت حدیث کے لیے وقف کر دیا تھا، وہ پوری طرح اس میں ڈوب گئے تھے، یہی ان کے بچپن کا کھیل تھا اور یہی ان کے جوانی کی تفریحات، ان کے معاصرین ہانی بن نصر بیان کرتے ہیں کہ ”ہم ملک شام میں محمد بن یوسف فریابی کے یہاں ٹھہرے ہوئے تھے، تفریح کرتے باغات میں جا کر پھل کھاتے، جیسا کہ عام طور پر نوجوانوں کا مشغلہ ہوتا ہے، محمد بن اسماعیل (امام بخاری) کا حال یہ تھا کہ وہ ہم سے تو کچھ بھی تعرض نہ کرتے اور خود حصول علم میں لگے رہتے“۔ (۴) ایک بڑے محدث کا بیان ہے کہ ”کان همه الحدیث“ ان کی ساری فکر حدیث ہی سے متعلق ہوتی تھی۔

وہ خود فرماتے ہیں کہ لوگ حدیثیں سنتے ہیں اور لکھ لیتے ہیں، زیادہ چھان بین نہیں کرتے، میرا حال یہ ہے کہ میں کسی حدیث کو لکھنا چاہتا ہوں تو اس کا نسب، کنیت،

(۱) سیر اعلام النبلاء: ۴۰۶/۱۲ (۲) سیر اعلام النبلاء: ۴۰۴/۱۱، تہذیب الکمال

(۳) سیر اعلام النبلاء: ۴۰۴-۱۲، تاریخ بغداد ۲-۳

(۴) سیر اعلام النبلاء: ۴۰۵/۱۲

حُجْل، حدیث کی کیفیت سب کچھ معلوم کر لیتا ہوں، ضرورت ہوتی ہے تو حدیث سنانے والے سے یہ درخواست بھی کرتا ہوں کہ وہ اپنا اصل نوشتہ حدیث دکھا دیں اور میں اس سے مراجعت کر لوں۔

تعلیم کے دوران سخت دشواریاں بھی پیش آئیں، بعض بعض مرتبہ جنگی کی یہ صورت پیش آتی کہ گھاس کھا کر گزارہ کرنا پڑا لیکن ان کے پائے ثبات میں لغزش نہ آئی، اور نہ یہ دشواریاں ان کے اٹھناک علمی کی راہ میں رکاوٹ بنیں۔

مقبولیت اور جوع عام

روایات کے اخذ و قبول میں اس احتیاط، حقیقت اور قوت استحضار نے لوگوں کو ان کا گرویدہ بنا دیا تھا، بڑے بڑے علماء و مشائخ ان سے استفادہ کرتے، استفادہ کا یہ سلسلہ اس وقت سے شروع ہو گیا تھا جب وہ بالکل نوعمر تھے، علمائے بصرہ کا حال یہ تھا کہ علم حدیث حاصل کرنے کے لیے پیچھے دوڑتے تھے، ان کو پکڑ کر کہیں راستہ ہی میں بیٹھا لیتے، مجمع لگ جاتا، ہزاروں لوگ جمع ہو جاتے، امام صاحب حدیثیں سناتے جاتے اور لوگ لکھتے جاتے جبکہ اس وقت وہ بالکل نوجوان تھے، ریش بھی اس وقت نہیں نکلی تھی۔

علم حدیث میں ان کی دقت نظر کا چرچا دور دور پھیل رہا تھا، جب وہ بغداد تشریف لے گئے تو علمائے بغداد نے ان کا امتحان لیا، اور اس کا طریقہ یہ اختیار کیا کہ سو حدیثیں لے کر اس کے متون اور اسانید کو الٹ پلٹ دیا اور ایک ایک محدث کو دس دس حدیثیں دی گئیں، امتحان کی مجلس منعقد ہوئی، امام صاحب کو بلایا گیا، لوگ جمع ہوئے، پہلے محدث نے پہلی حدیث سنائی متن کوئی اور تھا اور سند دوسرے متن کی اس میں جوڑ دی گئی تھی، امام صاحب نے فرمایا: میں اس سے واقف نہیں، دوسری حدیث سنائی یہی جواب دیا، یہاں تک کہ دسوں حدیثوں میں امام صاحب نے یہی جواب دیا، وہ علماء ایک دوسرے کو اشارہ کرنے لگے کہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ سمجھ گئے، پھر دوسرا کھڑا ہوا اس نے بھی دسوں حدیثیں اسی طرح سنائیں اور امام صاحب نے یہی جواب دیتے رہے، بالآخر

جب سب فارغ ہو گئے تو امام صاحبؒ گھڑے ہوئے اور انہوں نے شروع سے ایک ایک حدیث صحیح سند کے ساتھ سنانی شروع کی یہاں تک مکمل سوحد شیشیں درست کر کے سنا دیں، تمام لوگ ان کے فضل و کمال کے معترف ہو گئے۔ (۱)

حضرت امام صاحبؒ کی قوت حفظ اور استحضار کا اعتراف ہر خاص و عام کو تھا، بڑے محدث حضرت علی بن مدینیؒ فرماتے تھے ”محمد بن اسماعیلؒ سب سے آگے بڑھ گئے“ امام بخاریؒ خود فرماتے تھے کہ ”میں ابن المدینی کے سامنے اپنے کوچھوٹا محسوس کرتا ہوں“ جب یہ بات علی بن مدینیؒ سے کہی گئی تو فرمانے لگے کہ ”انہوں نے اپنا جیسا کسی کو نہیں دیکھا“، بصیرت اور رسوخ فی العلم کا حال یہ تھا کہ بڑے بڑے اساتذہ حدیث ان کی رائے قبول کرتے اور دوران درس اپنی غلطی کو تسلیم کرتے۔

حضرت امام احمدؒ جو امام بخاریؒ کے استاذ و شیخ ہیں فرماتے تھے کہ ”خراسان میں ان جیسا دوسرا کوئی پیدا نہیں ہوا“۔

حسین بن حریشؒ فرماتے ہیں کہ ”میں نے ان کی طرح کسی کو نہیں دیکھا، معلوم ہوتا تھا کہ ان کو صرف حدیث کے لیے پیدا کیا گیا ہے“۔

محمد بن نصر شافعیؒ کہتے ہیں کہ ”میں بصرہ، شام، حجاز، کوفہ، ہر جگہ گیا، وہاں علماء سے ملاقاتیں ہوئیں، جہاں بھی محمد بن اسماعیلؒ (امام بخاریؒ) کا ذکر آتا، لوگ ان کے فضل و کمال کو سب پر فوقیت دیتے“۔

حضرت رجاہؒ فرماتے تھے کہ ”وہ زمین پر چلتی پھرتی اللہ کی ایک نشانی ہیں“۔
محدث جلیل حضرت قتیبہ بن سعیدؒ فرماتے تھے کہ ”مشرق و مغرب سے لوگ ہمارے پاس آتے ہیں، لیکن محمد بن اسماعیلؒ جیسا میں نے نہیں دیکھا“،
امام ابو بکر بن خزیمہؒ کا قول ہے کہ ”آسمان کے نیچے میں نے محمد بن اسماعیلؒ سے بڑا عالم حدیث اور حافظ حدیث نہیں پایا“۔

(۱) سیر أعلام النبلاء: ۴۰۹/۱۲ یہ واقعہ کفر محمد شین نے نقل کیا ہے، تاریخ بغداد، وفيات الأعيان، تہذیب الکمال، وغیرہ

امام ترمذی فرماتے تھے کہ ”میں نے عراق و خراسان میں علل و تاریخ اور اسانید احادیث میں امام بخاری سے بڑا عالم کسی کو نہیں دیکھا۔“ ابوعلی صالح بن محمد فرماتے تھے کہ ”بغداد میں ان کی مجلس درس میں بیس ہزار سے زیادہ لوگ ہوتے تھے۔“

امام مسلم ایک مرتبہ تشریف لائے کچھ علل سے متعلق دریافت کیا، امام بخاری کے جواب پر فرمانے لگے کہ ”آپ سے وہی بغض کرے گا جس کے اندر حسد ہوگا، میں گواہی دیتا ہوں کہ دنیا میں آپ کے جیسا کوئی نہیں۔“ (۱)

خصال حمیدہ

حضرت امام بخاری سلم میں انتہائی بلندی پر پہنچنے کے باوجود سر پائیناز تھے، ان کی مثال اس ثمر دار درخت کی تھی کہ اس میں جتنے بھی پھل آتے ہیں وہ اتنا ہی جھکتا ہے، وہ جرح و تعدیل کے بھی امام تھے لیکن اس میں بھی بہت تول تول کر الفاظ فرماتے تھے، جن کمزور راویوں کی تصحیف کرنی ہوتی تھی تو ان کے بارے میں کبھی سخت الفاظ استعمال نہ فرماتے، شاید ہی انہوں نے کسی کو ”کذاب“ ”دضاع“ کہا ہو، کسی راوی پر کلام کرنا ہوتا تھا، اس کو ضعیف بتانا ہوتا تھا تو اکثر و بیشتر ”فیہ نظر“ فرماتے۔

ان علمی مشغولیتوں کے باوجود عبادت گزاری میں بڑا وقت صرف کرتے، تہجد میں عام طور پر تیرہ رکعتوں کا معمول تھا، اس وقت عام طور پر تنہا ہی اٹھ کر نماز میں مشغول ہو جاتے، خدام کو اٹھانا پسند نہیں تھا، محمد بن ابی حاتم و زائق کہتے ہیں کہ ”ہم نے عرض کیا کہ آپ سارے کام خود کرتے ہیں اور بوجھ اٹھاتے ہیں، بیدار کر دیا کریں، فرمایا: تم نو جوان آدمی ہو، میں تمہاری نیند خراب کرنا نہیں چاہتا۔“ نماز میں اشہاک کا حال یہ تھا کہ ایک رات دوران نماز بھڑنے سترہ جگہ ڈسا وہ اطمینان سے نماز میں مشغول رہے، فارغ ہو کر فرمایا کہ ”ذرا دیکھو کس چیز سے مجھے تکلیف ہو رہی ہے،“ اسی طرح ایک کسی تعلق والے کے باغ میں ظہر بعد نوافل میں مشغول ہو گئے، بھڑ

(۱) یہ سارے اقوال ”سیر اعلام النبلاء: ۱۲، ۲۱۶، ۳۳۳“ سے اخذ کئے گئے ہیں۔

کپڑے کے اندر کھس گئی اور اس نے کئی جگہ ڈسا، اس کی وجہ سے جسم پر درم آ گیا لیکن امام صاحب نماز میں مشغول رہے، بعد میں کسی نے دریافت کیا کہ اس نے جب پہلی مرتبہ ڈسا تو آپ کس طرح نماز پڑھتے رہے؟ فرمایا: ”میں ایک سورہ کی تلاوت میں مشغول تھا، جی چاہا کہ وہ سورہ پوری کر لوں۔“

تورع کا یہ حال تھا کہ ایک مرتبہ تشریف فرما تھے، محمد بن عباس فربریؒ بھی ساتھ تھے، امام صاحبؒ کی ڈاڑھی میں چھوٹا سا کوئی دانہ لگا رہ گیا تھا، محمد بن عباسؒ نے اس کو نکال کر وہیں ڈالنا چاہا تو فرمایا کہ اس کو مسجد کے باہر پھینکو۔

کسی کی دل شکنی گوارا نہ تھی، ایک صاحب نے امام صاحبؒ سے بڑا قرض لے رکھا تھا، اتفاق سے وہ صاحب آئے تو لوگوں نے کہا کہ تقاضے کا بہتر موقعہ ہے آپ اپنا قرض واپس لے لیجئے، امام صاحبؒ نے فرمایا ”میں اس کو پریشان نہیں کرنا چاہتا“، وہ صاحب دوسرے شہر چلے گئے تو تعلق والوں نے کہا کہ آپ امیر شہر کو لکھ بھیجئے وہ آپ کا قرض ادا کروا دیں گے، فرمایا: ”آج میں اپنی ضرورت سے لکھوں گا، کل وہ اپنی ضرورت میرے سامنے رکھ دیں گے اور مجھ سے سفارش چاہیں گے، لوگوں نے اپنے طور پر امیر سے بات کر لی، امام صاحبؒ کو پتہ چلا تو ان کو بہت شاق گزرا، انہوں نے فوراً امیر کو خط بھیجا کہ اس کو تنگ نہ کیا جائے اور دوسرے اہل تعلق کو بھی لکھ دیا کہ اس کے ساتھ خیر کا برتاؤ ہی کیا جائے، لوگوں کے شدید اصرار پر سالانہ دس درہم لینے پر راضی ہوئے جبکہ قرض پچیس ہزار تھا۔

کبھی اگر املا کرانے میں زیادہ وقت صرف ہو جاتا تو شاگردوں کی دلجوئی فرماتے اور بشارتیں سناتے، حسین بن محمد سمرقندیؒ فرماتے تھے ”محمد بن اسماعیل (امام بخاریؒ) خصال حمیدہ کے مالک تھے لیکن تین اوصاف ان کے اندر امتیازی تھے، ایک تو وہ بہت کم گو تھے، دوسرے مال و دولت سے ان کو کوئی سروکار نہ تھا، تیسری امتیازی صفت ان کی یہ تھی کہ لوگوں کے بکھیڑوں سے ان کو کوئی لینا دینا نہیں تھا، ان کی ساری مشغولیت علم میں تھی۔“

سخاوت میں فرد تھے، صدقات نافلہ کثرت سے فرماتے، دیناروں کی تحصیل ہمیشہ

ساتھ رہی، ہر ضرورت مند کو ہمیں تیس درہم دیتے رہتے تھے، کوئی خالی ہاتھ نہ جاتا، جہاں تک ہو سکتا انہما فرماتے، ایک مرتبہ کسی سائل کو تین سو درہم کا تھیلہ دے دیا، وہ دعادینے لگا تو فوراً بات کا رخ پھیر دیا تاکہ کوئی سمجھ نہ سکے، روای کا کہنا ہے کہ اس نے مجھے بعد میں بتایا کہ تھیلے میں تین سو درہم ہیں۔ خدام اور شاگردوں کی ضرورتوں کا خاص خیال فرماتے اور اس میں بڑی فیاضی سے خرچ کرتے۔ (۱)

آزمائش

حدیث میں آتا ہے ”أشد الناس بلاءاً الأنبياء ثم الأمثل فالأمثل“ (۲) (سب سے سخت آزمائش حضرات انبیاء کی ہوتی ہے پھر درجہ بدرجہ) حضرت امام بخاریؒ تری ترجمان سنت تھے، امیر المؤمنین فی الحدیث تھے، مقبولیت کا حال یہ تھا کہ جس شہر میں چلے جاتے خلقت امنڈ پڑتی، آج ان کا نام سرداران امت میں لکھا جاتا ہے، ان کو کیسے نہ آزما جاتا۔

امام ابوحنیفہؒ کو عہدہ قضاء سپرد کیا گیا، قبول نہ فرمانے پر جیل میں ڈال دیا گیا، اسی حال میں دنیا سے رخصت ہوئے، امام احمدؒ کو خلیفہ وقت نے کوڑے لگوائے صرف اس لیے کہ انہوں نے حق کو نہیں چھوڑا اور خلیفہ کی رائے تسلیم نہیں کی، امام بخاریؒ اخیر میں جب اپنے وطن بخاری تشریف لائے، تو شہر کے باہر ان کا زبردست استقبال ہوا، دینار و درہم لٹائے گئے استفادہ کرنے والوں کا ہر وقت جم غفیر رہتا تھا، ان کی یہ مقبولیت بہت سوں کو اس نہ آسکی اور وہ حسد میں مبتلا ہوئے، انہوں نے امیر بخاری کے کان بھرے پھر یہ قصہ پیش آیا کہ امیر نے حضرت امام صاحبؒ کو درس کے لیے اپنے محل بلانا چاہا، اور یہ چاہا کہ ان کے فرزند الگ سے امام صاحبؒ سے حدیثیں سنیں، اس نے قاصد سے کہلا بھیجا کہ امام صاحبؒ اپنی کتابوں کے ساتھ محل میں آجائیں اور درس دیں، امام

(۱) سیر أعلام النبلاء، ۱۲- سے یہ اقوال و واقعات منقول ہیں

(۲) صحیح البخاری فی کتاب المرضی

صاحب نے اس کو منظور نہیں فرمایا اور کہلا دیا کہ جو حدیثیں سننا چاہتا ہو وہ خود مجلس درس میں شرکت کرے، اس کو موضوع بنا کر حاسدین نے امیر کو امام صاحب کے خلاف بھڑکا دیا، جس کے نتیجے میں امام صاحب کو وہاں سے نکلنا پڑا، پھر مختلف علاقوں میں امام صاحب کے خلاف ایسی فضاء بنائی گئی کہ ہر جگہ کچھ لوگ ان کے خلاف ہو گئے اور ایک جماعت ان کے ناپسند کرنے والوں کی کھڑی ہو گئی، اس طرح ہر جگہ ایک جھگڑا کھڑا ہو گیا، امام صاحب جہاں تشریف لے جاتے اسی صورت حال کا سامنا کرنا پڑتا، دل برداشتہ ہو کر وہ دوسرے شہر کا رخ فرماتے، ان کے آخری ایام اسی اضطراب اور بے چینی میں گزرے، اور اسی حال میں وہ دنیا سے تشریف لے گئے۔

وفات

مذکورہ حالات کا امام صاحب پر بہت اثر پڑا، ان کی صحت بھی اس سے خاصی متاثر ہوئی، آخر میں وہ اپنے کچھ اعزہ کے یہاں تاشقند کے ایک چھوٹے سے قصبہ خرتک تشریف لے گئے، کچھ مدت وہاں قیام فرمایا، وہاں بھی وہی افراتفری کی صورت پیش آنے لگی تھی، عبدالقدوس بن عبد الجبار سمرقندی کہتے ہیں کہ وہیں ایک رات ہم نے ان کو تہجد کے نماز کے بعد یہ دعا کرتے ہوئے سنا "اللہم انہ قد ضاقت علی الارض بما رحبت فاقبضنی الیک" (اے اللہ! یہ زمین وسعت کے باوجود مجھ پر تنگ ہو گئی اب تو اپنے پاس بلا لے، اس کے ایک ماہ کے بعد امام صاحب کا وصال ہو گیا)

ابو منصور غالب بن جبرئیل کے یہاں امام صاحب کا قیام تھا، وہ وفات کی پوری تفصیل بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ "وہ ہمارے یہاں کچھ دن ٹھہرے، ان کی طبیعت خراب ہوئی اور حالت بگڑتی گئی، اس اثنا میں حکومت کا قاصد پہنچ گیا کہ محمد کو نکالا جائے، سواری لائی گئی، امام صاحب نے عمامہ باندھا، نھین پہنے اور سوار ہونے کے لیے چلے، میں اور ایک دوسرا شخص ان کو تھامے ہوئے چل رہے تھے، بیس قدم مشکل سے چلے ہوں گے، فرمانے لگے "مجھے چھوڑ دیں میں بہت کمزور ہو گیا" کچھ

دعا کیں پڑھنے لگے اور لیٹ گئے اور روح پرواز کر گئی، اس دوران عجیب طرح کا پسینہ جاری ہو گیا، ہم نے تجھیز اور تکفین کا انتظام کیا، جب ہم تکفین سے فارغ ہو گئے تو قبر سے ایسی خوشبو آئی شروع ہوئی جو منہک سے بہتر تھی، کئی روز تک یہ سلسلہ جاری رہا، پھر قبر کے اوپر آسمان تک نور کی لڑیاں سی نظر آتی تھیں، لوگ دیکھتے تھے اور تعجب کرتے تھے، ان کے مخالفین کے سامنے وفات کے بعد یہ حقیقت ظاہر ہوئی، وہ ان کی قبر کے پاس جا کر اظہارِ ندامت کرتے تھے اور روتے تھے۔“ (۱)

امام صاحب کی وفات شبِ عید الفطر میں ہوئی، عمر باسٹھ سال تھی۔

عبدالواحد بن آدم طواوسی کہتے ہیں کہ میں نے حضور ﷺ اور صحابہ کو خواب میں ایک جگہ کھڑے ہوئے دیکھا، میں نے عرض کیا کہ اللہ کے رسول ﷺ آپ یہاں کیوں کھڑے ہیں، فرمایا کہ محمد بن اسماعیل کا انتظار ہے، وہ کہتے ہیں کہ کئی روز کے بعد مجھے ان کی وفات کی خبر ملی، میں نے تحقیق کی تو پتہ چلا کہ جس وقت میں نے خواب میں ان کو دیکھا تھا وہ وہی وقت تھا جب ان کی وفات ہوئی تھی۔ (۲)

تصنیفات

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیفات ہمیں سے زائد ہیں، جن میں ”الأدب المفرد“ ”التاریخ الکبیر“ ”التاریخ الأوسط“ ”التاریخ الصغیر“ مشہور ہیں، ان میں بھی ”الأدب المفرد“ کو قبولِ عام حاصل ہوا، اور اس کی شرحیں بھی لکھی گئیں، ترجمے بھی ہوئے، لیکن جس کتاب نے امام صاحب کو چہارواں عالم میں شہرت عطا کی وہ ان کی مشہور زمانہ کتاب ”صحیح بخاری“ ہے، امام صاحب نے اس کا جو نام رکھا وہ درج ذیل ہے: ”الجامع الصحیح المسند من حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و سنتہ و آیامہ“

لیکن آج اس کو صحیح بخاری کے نام سے جانتے ہیں۔

(۱) سیر اعلام النبلاء: ۱۲/۴۶۶-۴۶۷ اختصار کے ساتھ

(۲) سیر اعلام النبلاء: ۱۲/۴۶۸

صحیح بخاری

کتاب اللہ کے بعد دنیا میں جس کتاب کو سب سے زیادہ شہرت و مقبولیت حاصل ہوئی وہ یہی ”صحیح بخاری“ ہے، جس کو ”اصح کتب بعد کتاب اللہ“ کہا گیا، اور اس کے مصنف کو امیر المؤمنین فی الحدیث کا لقب ملا، یہ وہ کتاب ہے جس کی صحت پر علماء متفق ہیں، امام صاحب موصوف نے چھ لاکھ حدیثوں میں سے اس کا انتخاب کیا ہے، مگر یہ بات بھی واضح کر دی:

”لم أعرج فی هذا الكتاب الا صحیحا وما ترکت فی الصحیح
اکثر“ (۲)

(میں نے اس کتاب میں صرف صحیح روایات لی ہیں، اور جو صحیح روایات
چھوڑی ہیں وہ کہیں زیادہ ہیں)

سبب تالیف

کتاب کی تالیف کا واقعہ خود امام صاحب کی زبانی سنئے وہ فرماتے ہیں:
”ہم اسحاق بن راہویہ کی مجلس میں تھے، ان کی زبان سے یہ الفاظ
نکلے کہ کاش تم میں سے کوئی ایسی محقق کتاب تیار کر دیتا جس میں اللہ کے

رسول ﷺ کی صحیح، ثابت شدہ سنتوں کو بیان کر دیتا، امام صاحب فرماتے ہیں بس یہ بات میرے دل کو لگ گئی اور میں نے اس کتاب کی تصنیف کا کام شروع کر دیا۔“ (۱)

اس سلسلہ کا ایک خواب بھی حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے امام صاحب کے حوالہ سے نقل کیا ہے، وہ فرماتے ہیں:

”میں نے خواب دیکھا کہ میں اللہ کے رسول ﷺ کے سامنے کھڑا ہوں اور میرے ہاتھ میں ایک پنکھا ہے جس سے میں آپ ﷺ کے اوپر سے کھیاں اڑا رہا ہوں، میں نے بعض تعبیر دینے والوں سے خواب کی تعبیر پوچھی تو انہوں نے کہا کہ تم اللہ کے رسول ﷺ کی طرف منسوب غلط باتوں کو دفع کرو گے۔“

تصنیف کتاب، امام صاحب کا اہتمام

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب کی تصنیف اور احادیث کے انتخاب میں فنی دیدہ ووری کے ساتھ عاقبت درجہ ادب و احترام کا اہتمام فرمایا، وہ خود فرماتے ہیں:

”ما صنفت فی کتاب الصحیح حدیثا الا اغتسلت قبل ذلك و صلیت رکعتین“ (۲)

(کتاب صحیح میں جب میں کوئی حدیث لکھتا تو اس سے پہلے غسل کرتا اور دو رکعتیں ادا کرتا)

مزید فرماتے ہیں:

”صنفت کتاب الجامع فی المسجد الحرام و ما أدخلت فیہ حدیثا

(۲) ہدی الساری، ص: ۶۸۳

(۱) ہدی الساری، ص: ۹

(۳) ہدی الساری، ص: ۶۸۳

حتى استسخرت الله تعالى و صليت ركعتين و تيقنت صحته“ (۳)
 (میں نے اپنی کتاب جامع مسجد حرام میں لکھی اور کوئی بھی حدیث میں اس
 میں لکھتا تھا تو اللہ تعالیٰ سے استخارہ کرتا، دو رکعت نماز ادا کرتا اور جب اس
 کی صحت کا یقین ہو جاتا تو میں اس کو کتاب میں درج کرتا)

حدیث کے علاوہ تراجم ابواب لکھتے وقت بھی ان کے اہتمام کا حال یہ تھا کہ اس
 کے لیے بھی نماز ادا فرماتے اور یہ بھی منقول ہے کہ یہ سب تراجم امام صاحب نے مسجد
 نبوی میں ریاض الحنہ میں بیٹھ کر تحریر فرمائے ہیں۔

چھ لاکھ حدیثوں میں سے یہ کل سات ہزار سے کچھ زائد روایات کا انتخاب ہے،
 جو سولہ سال کی مدت میں پایہ تکمیل کو پہنچا۔

امام صاحب نے کتاب مکمل ہونے کے بعد اپنے اساتذہ حضرت یحییٰ بن معین،
 حضرت علی بن المدینی اور حضرت امام احمد بن حنبل کی خدمت میں پیش کی اور ان
 سب حضرات نے اس کی تحسین فرمائی۔

امام صاحب فرماتے تھے کہ مجھے امید ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ اس کے ذریعہ
 سے مسلمانوں کو فائدہ پہنچائے گا، اور برکت عطا فرمائے گا۔ (۱)
 اللہ تعالیٰ امام صاحب کی امید کو کس طرح پورا فرمایا اس کو ہر وہ شخص جانتا ہے
 جس کو ذرا بھی علم حدیث سے شغف ہے۔

خصوصیات و امتیازات

اس پر علمائے امت کا اتفاق ہے کہ کتاب اللہ کے بعد صحیح ترین کتاب صحیح بخاری
 ہے، اس کے ساتھ یہ بات بھی متفق علیہ ہے کہ یہ کتاب مختلف علوم و فنون کی جامع
 ہے، امام صاحب نے ان تمام تصنیفات سے بھی خاطر خواہ فائدہ اٹھایا جو ان سے پہلے

تصنیف کی جا چکی تھیں، اور اپنے حسن ذوق سے ایک ایسا انتخاب امت کے سامنے پیش کر دیا جس کی اصحیت پر پوری امت متفق ہے، حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ اس کی تاریخ پر روشنی ڈالتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

”جاننا چاہیے کہ امام بخاری دو سو سال کے بعد نمودار ہوئے اور ان سے پیشتر علماء علوم دینیہ میں مختلف فنون کے اندر تصنیفیں کر چکے تھے، چنانچہ امام مالک اور سفیان ثوری نے فقہ میں تصنیف کی تھی، اور ابن جریج نے تفسیر میں اور ابو عبید نے غریب قرآن میں اور محمد بن اسحاق اور موسیٰ بن عقبہ نے سیر میں اور عبد اللہ بن مبارک نے زہد و موعظ میں اور کسائی نے بدء الخلق اور قصص انبیاء میں اور یحییٰ بن معین نے صحابہ و تابعین کے حالات میں نیز متعدد علماء کے فن رویا، ادب، طب، شامل، اصول حدیث، اصول فقہ اور رد مبتدعین مثلاً: رد جمہیہ پر رسائل موجود تھے، امام بخاری نے ان تمام مدونہ علوم پر غور کیا اور جزئیات و کلیات کی تنقید کی پھر ان علوم کا ایک حصہ کہ جس کو انہوں نے بصراحت یا بدلت ان صحیح حدیثوں میں پایا کہ جو بخاری کی شرط پر صحیح تھیں، اسے اپنی کتاب میں درج کیا تاکہ ان علوم کی بنیادی چیزوں کے متعلق مسلمانوں کے ہاتھ میں ایسی حجت قاطعہ موجود رہے کہ جس میں شک و کھچکاہٹ کا دخل نہ ہو۔“ (۱)

اس کتاب کی سب سے بڑی خصوصیت اس کی اصحیت ہے، امام صاحب نے احادیث کے انتخاب کے لیے جو اصول و ضوابط طے فرمائے وہ اتنے مضبوط و مستحکم ہیں کہ ان کے بعد کسی کمزور روایت کے کتاب کے اندر آجانے کی گنجائش باقی نہیں رہ جاتی، انہوں نے چھ لاکھ احادیث میں سے یہ انتخاب پیش کیا ہے اور ایک ایک حدیث کے اندراج میں جو اہتمام فرمایا اس کا ذکر پہلے گزر چکا، یہی وجہ ہے کہ اس کتاب کو جو

(۱) مکتوبات شاہ ولی اللہ، ص: ۱۷۰، ماخوذ از: ابن ماجہ اور علم حدیث: ۲۱۴

مقولیت و شہرت حاصل ہوئی وہ کتاب اللہ کے بعد کسی کتاب کو حاصل نہ ہو سکی۔
ایک بڑے محدث امام ابو یزید مرزوی فرماتے ہیں:

”میں مختلف کتابیں پڑھاتا تھا، ایک روز میں نے اللہ کے رسول ﷺ کو خواب میں دیکھا آپ فرما رہے ہیں کہ ابو یزید! تم میری کتاب کب پڑھاؤ گے؟ میں نے دریافت کیا اللہ کے رسول! آپ کی کتاب کون سی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: جامع محمد بن اسماعیل، (صحیح بخاری)۔“

تراجم ابواب

صحیح بخاری کی تین ایسی خصوصیتیں ہیں جن میں کوئی اس کا ہمسر نہیں، ایک اصحیح کتاب، دوسری جامعیت اور تیسری خصوصیت تراجم ابواب کی ہے، اس کو امام صاحب نے مستقل ایک فن بنا دیا ہے، اسی لیے یہ بات مشہور ہے کہ ”فقہ البخاری فی تراجمہ“ (امام بخاری کا تعلقہ اور فہم ان کے تراجم ابواب میں ہے) یہ تراجم علوم و فنون کا خزانہ ہیں۔

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:
”فن حدیث سے اشتغال رکھنے والوں کے نزدیک خواہ وہ درس و تدریس سے متعلق ہوں یا تصنیف و تالیف اور شرح و تحقیق میں مشغول ہوں، یہ بات طے شدہ ہے کہ اس کتاب میں سب سے زیادہ دقیق بحث ابواب و تراجم کی ہے، اور اس میں بڑی وسعتیں اور گہرائیاں ہیں، حتیٰ کہ علماء و محدثین میں یہ مشہور ہے کہ بخاری کا تعلقہ تراجم بخاری سے ظاہر ہے، اور یہ اس کتاب کا ایسا شعار بن گئے ہیں کہ ان سے یہ کتاب دوسری کتب صحاح میں (ان کی قدر و قیمت کے اعتراف کے ساتھ) ممتاز ہے، اور اس طرح سے یہ علماء کی ذہانت، ان کی علمی جس، غور و فکر میں گہرائی، فہم کتاب

پر غور، حل مشکلات اور مصنف کتاب کے اغراض و مقاصد تک رسائی کا ایک ایسا پیمانہ بن گئے ہیں کہ جب تک کہ کوئی مصنف یا مدرس اس سلسلہ کی اہم معلومات نہ رکھتا ہو، اور اس کے پاس کچھ ایسی توجیہات یا کہا جاسکتا ہے کہ ایسی چابی نہ ہو جس کے ذریعہ وہ اس کے مقفل ابواب کو کھول سکے، اور اس کی گہرائیوں میں جاسکے، اس وقت تک اس کی علمی مہارت، تدریسی تفوق و امتیاز، شروح و حواشی اور اقوال ائمہ و محدثین پر عبور اور تدریس پر اس کی مزاولت و ممارست کی گواہی نہیں دی جاسکتی ہے، اس لیے علماء نے ہر زمانہ میں اس کا خاص اہتمام کیا اور اس میدان میں اپنی توانائیاں اور تمام تر علمی صلاحیتیں نمود کر رکھ دیں، کوئی ایسا ادیب یا لغوی ہمارے علم میں نہیں کہ جس نے کسی شعر کی گہرائی تک جانے کے لیے، اس کی حقیقت تک رسائی کے لیے اور شاعر کے مطالب و مفاہیم کے سمجھنے کے لیے اتنی خامہ فرسائی کی ہو، جتنی صحیح بخاری کے شرح اور اس کا درس دینے والوں نے مؤلف کتاب کے مقاصد و مطالب کو سمجھنے کے لیے کی۔

علمی تاریخوں سے طویل اشتغال کے باوجود ہم علماء و حکماء کی کسی کتاب کے بارے میں یہ نہیں کہہ سکتے کہ اس فن کے ماہرین نے اس قدر اس پر اپنی توجہ دی ہو، اس کی باریکیوں میں گمے ہوں، اس کی مشکلات کو حل کیا ہو، حتیٰ کہ بال کی کھال نکالی ہو، جتنا محدثین نے صحیح بخاری کے ساتھ کیا، اور یہ صرف مصنف کتاب کے اخلاص، فن حدیث کے لیے یکسو ہو جانے، اس کے لیے جہد مسلسل کرنے اور اپنے آپ کو فنا کر دینے کا نتیجہ تھا، ان ابواب و تراجم میں غرض کی وجہ سے مصنف کتاب کے مختلف النوع اور عمیق اغراض و مقاصد، ان کی ذہانت و ذکاوت، فہم حدیث میں ان کا تعق و وسعت اور کتاب کو زیادہ سے زیادہ جتنا ممکن

ہو سکے مفید بنانے کی خواہش و کوشش ہے، ان کی مثال اس شہد کی مکھی کی ہے جو پھول کے آخری قطرہ کو بھی چوس لیتی ہے، پھر لوگوں کے لیے اس کو صاف و شفاف شہد میں تبدیل کر دیتی ہے۔“ (۱)

تراجم ابواب کی شرح و ترجمانی کے لیے ائمہ و علماء نے مستقل کتابیں تصنیف کی ہیں، علماء حنفیہ کے علاوہ ہندوستان میں حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کا نام اس سلسلہ میں نمایاں ہے، جن کی کتاب ”رسالة شرح تراجم البخاری“ مشہور ہے، ان کے علاوہ اخیر میں حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ کی کتاب ”الابواب والتراجم لصحیح البخاری“ اس موضوع پر منفرد کتاب ہے۔

ائمہ کا اعتراف و تحسین

صحیح بخاری پر جتنا کام ہوا اور ہر دور میں علماء نے جس طرح اس کی خدمت کی اور اعتراف و تحسین کے کلمات کہے اس کی مثال ملنی مشکل ہے، ذیل میں چند اہم ائمہ کے اقوال نقل کئے جاتے ہیں۔

شارح بخاری امام قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”جہاں تک اس کتاب کی تصنیف کا تعلق ہے تو یقیناً یہ تمام تالیف کردہ کتابوں میں صحیح ترین کتاب ہے اور ہر دور میں علماء نے اس کو ہاتھوں ہاتھ لیا ہے، وہ مختلف فنون کے اعتبار سے بھی اتنی حسین اور کتابوں سے فائق ہے، اور صحاح میں اس کو وہ خصوصیات حاصل ہیں جو کسی کو حاصل نہیں، اس کی خوبی اور اہمیت کی گواہی بڑے بڑے ائمہ اور فضلاء نے دی ہے تو اس کے فوائد شمار سے باہر ہیں اور لامحدود ہیں۔“

امام ذہبیؒ تحریر فرماتے ہیں:

”جہاں تک صحیح بخاری کا تعلق ہے تو وہ اسلام کی کتابوں میں کتاب اللہ کے بعد سب سے اہم اور افضل ہے اور وہ اس دور میں لوگوں کے لیے سند کے اعتبار سے سب سے بلند ہے۔“

امام نسائی فرماتے ہیں کہ:

”ان کتابوں میں سب سے بہتر بخاری کی کتاب ہے۔“

حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں:

”صحیح بخاری کی مقبولیت و صحت پر تمام مسلمانوں کا اتفاق ہے۔“

امام ابن قیم کے الفاظ یہ ہیں:

”قرآن مجید کے بعد آسمان تلے بخاری و مسلم سے زیادہ صحیح اور کوئی کتاب نہیں۔“

شاہ ولی اللہ دہلوی فرماتے ہیں:

”محدثین کا اتفاق ہے کہ صحیحین میں جو بھی روایات ہیں وہ متصل ہیں، مرفوع ہیں اور قطعی طور پر صحیح ہیں، اور ان دونوں کتابوں کی سند ان کے مصنفین تک تو اتر سے ثابت ہے، اور جو بھی ان کی اصحیت کو کم کرے تو وہ مبتدع ہے اور مسلمانوں کے راستہ سے ہٹا ہوا ہے۔“

تلقی بالقبول

کتاب کی اہمیت، ضرورت، افادیت کے پیش نظر علماء نے ہمیشہ ہر لحاظ سے اس کتاب کے ساتھ اہتمام کیا، درس کے اعتبار سے، شروح و حواشی کے اعتبار سے، یہاں تک کہ یہ اہتمام بھی رہا کہ مصیبتوں اور آفات کے وقت ختم بخاری کا اہتمام کیا جاتا تھا اور اس کی برکت سے اللہ تعالیٰ فضل کا معاملہ فرماتا تھا، اس سلسلہ کے متعدد واقعات موجود ہیں۔

شروع و حواشی

صحیح بخاری کی جتنی شرحیں لکھی گئیں تھیں اس میں کوئی اس کا شریک نہیں، عزیز گرامی مولوی اسامہ امین ندوی سلمہ نے اس کو اپنی تحقیق کا موضوع بنایا، اور شمار کی کوشش کی تو متعلقات بخاری کی تعداد سات سو سے تجاوز کر گئی جس میں صرف شروع کی تعداد تین سو سے زائد ہے۔

ان تمام شروحات میں جن دو شرحوں کو قبول عام حاصل ہوا ان میں سرفہرست حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ کی ”فتح الباری“ ہے اور دوسری ممتاز ترین شرح علامہ بدرالدین عینی رحمۃ اللہ علیہ کی ”عمدة القاری“ ہے، دونوں کی اپنی اپنی خصوصیات ہیں، فنی لحاظ سے حافظ صاحب کی شرح ممتاز ہے، اور حل لغات اور حسن ترتیب کے لحاظ سے ”عمدة القاری“ لا جواب ہے۔

امام مسلمؒ

ولادت اور نام و نسب

محدثین کے سرخیل، جلیل القدر حافظ حدیث، حدیث کی صحیح ترین کتابوں میں دوسری کتاب کے مصنف امام مسلم بن حجاج قشیری رحمۃ اللہ علیہ مقبول ترین افراد امت میں بھی ممتاز مقام کے حامل ہیں، کنیت ابوالحسین اور لقب عساکر الدین ہے، قبیلہ قشیر کی طرف نسبت ولاء حاصل ہے، غالباً امام موصوف کے پردادا اور دین کوشا از قبیلہ قشیر کے کسی شخص و با توفیق فرد کے ہاتھ پر ایمان لائے اسی لیے ”قشیری“ کہلائے، یہ اسلام ہی کا نشان امتیاز ہے کہ ایک عجم کا رہنے والا خالص عربی النسل خاندان کے ہاتھ پر مسلمان ہوتا ہے تو اسی کی طرف منسوب کیا جاتا ہے اور یہ بھی اسلام ہی کی خصوصیت ہے کہ اس نے عجمی خاندان میں پیدا ہونے والے ایک فرد کو امامت کے اس مقام تک پہنچا دیا کہ بڑے بڑے ائمہ اس کی علمی عظمت و شان کے آگے سر جھکانے پر مجبور ہیں۔

۲۰۴ھ میں خراسان کے مشہور شہر نیشاپور میں پیدا ہوئے، خراسان کی سرزمین سے علم حدیث کے دو ایسے آفتاب و ماہتاب طلوع ہوئے جن کی ضوفشانی سے قیامت تک ساری دنیا روشنی حاصل کرتی رہے گی، ایک امام بخاریؒ، دوسرے امام مسلمؒ۔

تحصیل علم اور اس کے لیے اسفار

نیشاپور خراسان کا وہ مشہور شہر ہے جس کو علامہ یاقوت حموی نے ”معدن الفضلاء ومنبع العلماء“ جیسے القاب سے یاد کیا ہے اور یہ لکھا ہے: ”قد خرج منها من أئمة العلم من لا يحصى“ (۱) (وہاں سے بے شمار ائمہ علم نکلے) علامہ تاج الدین سبکی تحریر فرماتے ہیں: ”قد كانت نیشابور من أجل البلاد وأعظمها لم يكن بعد بغداد مثلها“ (۲) (نیشاپور سب سے عظیم اور بڑا شہر تھا، بغداد کے بعد اس کی نظیر نہ تھی)

امام مسلم نے آنکھیں کھولیں تو نیشاپور مرکز علم بنا ہوا تھا، امام اسحاق بن راہویہ، امام یحییٰ بن یحییٰ تمیمی اور امام ذہبی جیسے اساطین علم مسند درس کے لیے باعث زینت تھے، امام مسلم نے ان حضرات سے کسب فیض کیا، ۲۲۰ھ میں امام موصوف نے حج کا سفر کیا، اور اسی سے ان کی رحلت علیہ کا آغاز ہوتا ہے، مکہ مکرمہ میں انہوں نے امام قعنبی سے استفادہ کیا، اور دوسرے حضرات سے بھی حدیثیں سنیں پھر کوفہ تشریف لائے، شیخ احمد بن یونس اور ایک جماعت مشائخ کے سامنے زانوائے تلمذتہ کیا، پھر وطن تشریف لائے اور وہاں کے کبار ائمہ سے تکمیل کی، پھر ۲۳۰ھ سے پہلے پہلے دوبارہ اسفار شروع کئے اور حجاز، عراق، شام، مصر اور دوسرے ملکوں اور شہروں کے اساتذہ حدیث سے استفادہ کیا، ان کے مشائخ میں امام احمد بن حنبل، امام یحییٰ بن معین، امام ابو حاتم رازی، ابو بکر بن ابی شیبہ، قتیبہ بن سعید بلخی، محمد بن شیبہ، محمد بن بشر، ابو مصعب زہری سرفہرست ہیں، مشائخ کی تعداد دوسو سے متجاوز ہے۔

امام بخاری سے استفادہ

امام مسلم کے اساتذہ میں امام بخاری کا نام بھی شامل ہے، جب امام

(۱) معجم البلدان فی ذکر نیشابور (۲) طبقات الشافعیۃ الکبری: ۱۷۳/۱

بخاریؒ نیشاپور تشریف لائے تو امام مسلمؒ نے ان سے بھرپور استفادہ کیا اور مستقل ان کی خدمت میں حاضر ہوتے رہے، جب امام ذہلی کا امام بخاری سے ایک مسئلہ میں اختلاف ہوا تو امام مسلم نے امام بخاری کا ساتھ دیا، اسی مسئلہ کی وجہ سے امام بخاریؒ گو نیشاپور چھوڑنا پڑا، امام مسلم امام ذہلی سے بھی استفادہ کرتے رہے، یہاں تک ایک دن امام ذہلی نے مجلس درس میں اعلان کر دیا کہ جو تلفظ بالقرآن کو مخلوق سمجھنے میں بخاری کی رائے رکھتا ہو وہ ہم سے روایات نہ کرے، امام مسلم اسی وقت اٹھے اپنی چادر سر پہ رکھی اور چل دیئے، جتنی روایتیں اب تک انہوں نے امام ذہلی کی لکھی تھیں جا کر وہ سب خزانہ ایک اونٹ پر لاد کر امام ذہلی کو واپس کر دیا۔ (۱)

امام بخاری سے ان کے تعلق کا حال یہ تھا کہ ایک مرتبہ امام مسلم، امام بخاری کی خدمت میں حاضر ہوئے تو پیشانی کا بوسہ لیا اور فرمایا کہ اے استاذ الاساتذہ، سید الحدیثین، علل حدیث کے طیب! اجازت دیجیے کہ میں آپ کی قدم بوسی کا شرف حاصل کروں، حافظ خطیب بغدادی نے اپنی سند سے یہ واقعہ نقل کیا ہے۔ (۲)

امام بخاریؒ سے امام مسلم نے اصول حدیث کے بعض مسائل میں اختلاف بھی کیا جس کا ذکر آگے آئے گا۔

تجارت

امام مسلمؒ نے اپنی علمی مشغولیت کے ساتھ تجارت بھی کی، نیشاپور کے ایک محلہ خان محمش میں ان کا کاروبار تھا اور اس میں انہوں نے ترقی بھی کی، ابن العمامہ جنبلی نے لکھا ہے ”ولہ الاملاک و ثروة“ (۳) (وہ صاحب جائیداد و صاحب مال تھے)

(۱) سیر اعلام النبلاء: ۵۷۲/۱۲، امام ذہبی و دیگر صحفین نے یہ واقعہ اپنی کتابوں میں لکھا ہے۔

(۲) تاریخ بغداد، ۱۳-۱۰۲، تاریخ دمشق: ۶۸/۳۱ (۳) شلذرات الذهب ۲-۲۹۷

علم میں انہماک

علم میں انہماک کا حال یہ تھا کہ مطالعہ اور تصنیف کے وقت عام طور پر پوری طرح یکسوئی اختیار فرما لیتے، اس دوران لوگوں سے ملنا پسند نہ تھا، اس کا نتیجہ تھا کہ لاکھوں حدیثیں نوک زبان تھیں، ایک مرتبہ امام صاحب کے لیے مجلس مذاکرہ منعقد ہوئی، ایک حدیث کا ذکر آیا جو امام صاحب کے علم میں نہیں تھی، اپنے گھر تشریف لے گئے، رات کا وقت تھا چراغ جلایا اور فرمایا اب کوئی یہاں نہ آئے، لوگوں نے عرض کیا کھجور کی یہ ٹوکری ہدیہ میں آئی ہے، فرمایا: اندر رکھ دو، بس رات بھر حدیث کی تفتیش میں لگے رہے اور انہماک کا حال یہ تھا کہ ایک ایک کھجور کھاتے رہے اور یہ اندازہ ہی نہ کر سکے کہ کتنی کھجوریں کھالیں، صبح ہوئی تو حدیث مل چکی تھی اور ساتھ ساتھ کھجوریں بھی ختم ہو گئی تھیں، حاکم نیشاپور نے اسی واقعہ کو امام کی وفات کا سبب قرار دیا ہے۔ (۱)

وفات

آپ کی وفات ۲۵۱ھ رجب المرجب ۲۶۱ھ یکشنبہ کے دن ہوئی، دو شنبہ کے روز نیشاپور کے باہر نصر آباد میں تدفین ہوئی۔ (۲)

ائمہ کا خراج تحسین

ائمہ حنفیہ میں نے امام موصوف کی علمی قدر و منزلت کا اعتراف کیا ہے، خود ان کے معاصر ائمہ اور مشائخ نے بلند الفاظ میں ان کا تذکرہ کیا ہے۔

امام ابو زرہ رازی (۲۶۳ھ) اور امام ابو حاتم رازی (۲۷۷ھ) جن میں اول الذکر امام صاحب کے مشائخ میں سے ہیں اور ثانی الذکر امام بخاری کے طبقہ کے شیخ

(۱) سیر اعلام النبلاء: ۱۲ - ۵۶۴ (۲) وفیات الأعیان: ۱۳۶

ہیں، دونوں حضرات امام مسلم کو صحیح حدیث کے علم میں دوسرے معاصر مشائخ پر فوقیت دیتے تھے۔ (۱)

امام اسحاق بن راہویہ (۲۲۸ھ) جو اپنے زمانے کے بڑے امام ہیں، امام احمد بن حنبل نے بھی ان سے روایات نقل کی ہیں، امام مسلم کے کبار مشائخ میں سے ہیں، انہوں نے امام صاحب کے بارے میں فرمایا تھا: ان جیسا کون ہوگا۔ (۲)

حافظ مسلمہ بن قاسم (۳۵۳ھ) تاریخ کبیر میں فرماتے ہیں: ”مسلم جلیل القدر ثقة من أئمة المحدثين“ (مسلم بلند مرتبہ ہیں، ثقہ ہیں، ائمہ محدثین میں سے ہیں)

امام ابو عبد اللہ حاکم نیشاپور (۴۰۵ھ) کے والد نے امام مسلم کی زیارت کی تھی، وہ فرماتے تھے کہ ”میں نے امام صاحب کو خان محمش میں حدیث بیان کرتے سنا ہے“ (۳) خود امام حاکم نیشاپوری فرماتے تھے ”اہل حجاز، اہل عراق، اہل شام سب کے سب علم حدیث میں اہل خراسان کے امتیاز کو تسلیم کرتے ہیں، امام بخاری، امام مسلم کے اس فن میں تفوق اور ان کے منفرد مقام کی وجہ سے“ (۴)

محمد بن بشار جو خود امام موصوف کے مشائخ میں سے ہیں فرماتے تھے: ”حفاظ

الدنيا أربعة أبو زرعة بالري ومسلم بنيشابور وعبدالله الدارمي بسمرقند ومحمد بن اسماعيل ببخارى“ (۵) (حفاظ حدیث دنیا میں چار ہیں، رے میں

ابوزرعہ، نیشاپور میں مسلم، سمرقند میں داری اور بخارا میں محمد بن اسماعیل بخاری)

اللہ تعالیٰ نے امام صاحب کو وجاہت ظاہری بھی عطا فرمائی تھی، حاکم نیشاپوری، ابو عبد الرحمن سلمیٰ سے نقل کرتے ہیں، وہ لکھتے تھے:

(۱) سیر اعلام النبلاء: ۱۲-۵۶۳

(۲) تاریخ بغداد، سیر اعلام النبلاء، اکمال المعلم

(۳) سیر اعلام النبلاء: ۱۲-۵۷۰ (۴) اکمال المعلم: ۱-۸۰

(۵) سیر اعلام النبلاء: ۱۲-۵۶۴، تاریخ بغداد: ۱۲-۱۶

”میں نے ایک بزرگ کو دیکھا جو صاحب جمال بھی تھے اور لباس بھی ان کا بہتر تھا، ایک اچھی چادر ان پر پڑی ہوئی تھی اور عمامہ کا کنارہ وہ دونوں مونڈھوں کے درمیان ڈالے ہوئے تھے، بتایا گیا کہ یہ مسلم ہیں، اسی اثنا میں حکومت کے اہل کار پہنچ گئے اور کہنے لگے کہ امیر المؤمنین کا حکم ہے کہ امام مسلم امامت فرمائیں گے لوگوں نے ان کو آگے بڑھایا انہوں نے تکبیر کہی اور لوگوں کو نماز پڑھائی۔“ (۱)

صحیح مسلم کے شارح قاضی عیاضؒ (۵۴۳ھ) شرح کے مقدمہ میں امام صاحب کے بارے میں فرماتے ہیں: ”أحد أئمة المسلمين وحفاظ الحديث ومتقن المصنفين، أثنى عليه غير واحد من الأئمة المتقدمين وأجمعوا على إمامته وتقديمه وصحة حديثه وثقته وقبول كتابه“ (۲) (ائمہ مسلمین، حفاظ حدیث اور پختہ کار مصنفین میں سے ایک ہیں، ائمہ متقدمین میں سے متعدد نے ان کے لیے کلمات تحسین فرمائے ہیں، ان کی امامت، تفوق، ان کی حدیثوں کی صحت اور ان کی ثقاہت اور کتاب کی قبولیت پر سب کا اتفاق ہے)

امام صاحب کی عظمت کے لیے یہی کیا کم ہے کہ حدیث کی صحیح ترین دو کتابوں میں سے دوسری کتاب کے وہ مصنف اور جامع ہیں، دنیا کے خطہ خطہ میں یہ کتاب پڑھی اور پڑھائی جا رہی ہے، ہزاروں کتابیں اسلام کی چودہ سو سالہ تاریخ میں لکھی گئیں لیکن جو قبولیت امام بخاری کی صحیح اور امام مسلم کی صحیح کو حاصل ہوئی، کوئی کتاب اس قبولیت عام میں ان کے برابر نہیں۔

تصنیفات

امام مسلمؒ نے صحیح کے علاوہ تاریخ الرجال، طبقات اور حدیث کے بعض دوسرے

موضوعات پر متعدد کتابیں تصنیف فرمائیں، جن کتابوں کا علم ہوسکا ذیل میں ان کی فہرست دی جا رہی ہے: (۱) کتاب تمييز الكنى والأسماء (۲) کتاب الطبقات (۳) کتاب الوحدان (۴) کتاب العلل (۵) کتاب شیوخ مالک وسفیان وشعبة (۶) کتاب رجال عروة بن زبیر (۷) کتاب التمييز (۸) کتاب الأفراد فی ذکر جماعة من الصحابة والتابعین لیس لهم راووا واحد من الثقات (۹) أوهام المحدثین (۱۰) الجامع علی الأبواب (۱۱) المسند الكبير علی الرجال (۱۲) کتاب الأقران (۱۳) کتاب عمرو بن شعيب (۱۴) کتاب سؤالات أحمد بن حنبل (۱۵) کتاب المخضرمين (۱۶) کتاب أولاد الصحابة (۱۷) کتاب أفراد الشاميين (۱۸) کتاب الانتفاع بأهـب السباع.

یہ کتابیں دنیا کے مختلف کتب خانوں میں موجود ہیں، کتاب التمييز ریاض سے چھپ چکی ہے، اور بہت سی کتابیں وہ ہیں جن کے صرف نام ملتے ہیں، دشمنان اسلام کی ظالمانہ کاروائیوں میں دنیا علم کے جس خزانہ سے محروم ہوئی اس میں امام صاحب کی بھی متعدد کتابیں شامل ہیں، لیکن جس کتاب نے امام صاحب کو زندہ جاوید کر دیا اور دنیائے اسلام میں ان کو شہرت و قبولیت بخشی وہ ان کی کتاب ”صحیح“ ہے۔

صحیح مسلم

امام مسلم نے تین لاکھ ان روایات سے اپنی کتاب کے لیے حدیثوں کا انتخاب کیا ہے جو انہوں نے براہ راست اپنے شیوخ سے لی تھیں (۱)، پھر انہوں نے صرف اپنی ذاتی رائے پر بس نہیں کیا بلکہ مزید احتیاط کے پیش نظر وہی حدیثیں نقل کیں جن کی صحت پر اور مشائخ وقت کا بھی اتفاق تھا۔ خود وہ فرماتے ہیں: ”لیس کسل شیخی عندی صحیح و وضعته ههنا انما وضعت ههنا ما أجمعوا علیه“ (۲) (برودہ حدیث جو میرے نزدیک صحیح تھی اس کو میں نے یہاں درج نہیں کیا، میں نے تو یہاں صرف ان حدیثوں کو درج کیا ہے جن کی صحت پر مشائخ وقت کا اجماع ہے) مولانا عبدالرشید نعمانی تحریر فرماتے ہیں:

”شیخ ابن الصلاح وغیرہ نے اجماع سے اجماع عام سمجھا، اس لیے ان کو امام مسلم کے اس دعوے کی صحت کے متعلق سخت اشکال ہوا، لیکن امام مسلم کی مراد اجماع سے اجماع عام نہیں، بلکہ اس دور کے بعض خاص مشہور شیوخ وقت کا اجماع ہے، چنانچہ علامہ بلقینی نے اس سلسلہ میں امام احمد بن حنبل، یحییٰ بن معین، عثمان بن ابی شیبہ اور

(۱) تذکرۃ الحفاظ فی ترجمۃ أبو علی (۲) صحیح مسلم، باب التمشید فی الصلاة

سعید بن منصور خراسانی ان چار ائمہ حدیث کے نام گنا کر لکھا ہے کہ

امام مسلم کی مراد اجماع سے ان حضرات کا اجماع ہے۔“ (۱)

کتاب اگرچہ ابواب و موضوعات کے اعتبار سے نہایت مرتب ہے، لیکن امام صاحب نے شاید غایت درجہ احتیاط کی بنا پر احادیث صحیح کے درمیان کچھ بھی لکھنا گوارا نہ کیا، پوری کتاب میں صرف صحیح احادیث ہیں، تراجم ابواب بعد میں محدثین نے قائم فرمائے ہیں، امام نووی فرماتے ہیں کہ اس لیے ان میں کہیں ناموزونیت نظر آتی ہے۔

امام ابو زرہ رازی کی خدمت میں

امام ابو زرہ عجل حدیث اور فن جرح و تعدیل کے بڑے امام ہیں، امام بخاری کے ہمسرے سمجھے جاتے ہیں، امام مسلم کے مشائخ میں سے ہیں، کتاب مکمل کر کے امام مسلم نے اپنے شیخ کی خدمت میں پیش کی اور جن روایات کے بارے میں بھی امام ابو زرہ کا کلام ہوا وہ کتاب سے خارج کر دی، اس طرح تنقیح در تنقیح کے بعد احادیث صحیحہ کا یہ منتخب مجموعہ تیار ہوا، جس کو آج دنیا ”صحیح مسلم“ کے نام سے جانتی ہے، یہ ابو زرہ رازی وہی بزرگ ہیں جن کے انتقال کا عجیب و غریب واقعہ رجال و تاریخ کی کتابوں میں موجود ہے۔

ابو جعفر تسری کہتے ہیں کہ ہم جاں کنی کے وقت ان کی خدمت میں حاضر ہوئے، اس وقت علماء و ائمہ کی ایک جماعت وہاں موجود تھی، ان لوگوں کو تلقین میت کی حدیث کا خیال آیا کہ آنحضرت ﷺ کا ارشاد مبارک ہے: ”لَقِنُوْا مَوْتَكُمْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ“ (۲) (اپنے مرنے والوں کو لا الہ الا اللہ کی تلقین کرو) مگر کسی کو امام موصوف کو تلقین کی ہمت نہ ہوتی تھی، آخر سب نے سوچ کر یہ راہ نکالی کہ تلقین کی حدیث کا مذاکرہ کرنا چاہیے، چنانچہ محمد بن مسلم نے ابتدا کی ”حدثنا الضحاك بن مخلد عن

(۱) ابن ماجہ اور علم حدیث، ص: ۲۱۵، بحوالہ تدریب الراوی: ۲۸ (۲) صحیح مسلم: ۲۱۶۲

عبدالحمید بن جعفر“ (ہم سے ضحاک ابن مخلد نے، انہوں نے عبدالحمید بن جعفر سے روایت کی ہے) اتنا کہہ کر وہ رک گئے بقیہ حضرات بھی خاموش ہو گئے، اس پر امام ابو زرہ نے اسی جاں کنی کے عالم میں روایت بیان کرنی شروع کی: ”حد ثنا بندار حد ثنا أبو عاصم حد ثنا عبدالحمید بن جعفر عن صالح عن كثير بن مرة الحضرمي عن معاذ بن جبل قال قال رسول الله ﷺ من كان آخر كلامه لا اله الا الله“ (مجھ سے بندار نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں کہ مجھ سے ابو عاصم نے بیان کیا، وہ کہتے ہیں کہ مجھ سے عبدالحمید بن جعفر نے بیان کیا، وہ صالح سے اور وہ کثیر بن مرہ سے اور وہ حضرت معاذ بن جبل سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس کا آخری کلام لا اله الا الله ہو) بس اسی قدر کہہ سکے تھے کہ روح پرواز کر گئی، اس کے آگے ہے، ”دخل الجنة“ (وہ جنت میں داخل ہو گیا) یہ جملہ ان کی زبان سے ادا نہ ہو سکا اور اس کی عملی شکل سامنے آگئی۔ (۱)

ایک غلط فہمی کا ازالہ

امام موصوف نے انتخاب حدیث کے لیے جو ترتیب قائم فرمائی تھی وہ دو طرح کے لوگوں کی روایات تھیں، ایک طبقہ اعلیٰ درجہ کے لوگوں کا تھا، دوسرا طبقہ متوسطین کا تھا، اس سے بعض حضرات نے یہ سمجھ لیا کہ امام موصوف کا ارادہ دونوں طبقوں کی روایات کو الگ الگ جمع کرنے کا تھا اور وہ صرف پہلے ہی طبقہ کی روایات جمع کر سکے تھے اور ایک ہی کتاب مرتب ہو سکی تھی کہ ان کی وفات ہو گئی اور دوسرے طبقہ کے لوگوں کی روایات جمع کرنے کا ان کو موقع نہیں مل سکا، جب کہ امام صاحب موصوف کی عبارت سے جو بات ظاہر ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ انتخاب حدیث میں اولاً انہوں نے طبقہ اولیٰ کی روایات لی ہیں، پھر اس کے ذیل میں طبقہ ثانیہ کی روایات بھی نقل کی ہیں،

اس کے لیے مستقل کسی کتاب کی تصنیف کا ارادہ ان کا نہیں تھا۔
خود مصنف کی عبارت درج ذیل ہے، جو وہ اپنی کتاب کے مقدمہ کے آغاز میں تحریر فرماتے ہیں:-

”انا نحمد الی حملة ما أسند من الأخبار عن رسول الله ﷺ
فنقسمها علی ثلاثه أقسام وثلاث طبقات من الناس.....
فأما القسم الأول فأما نتوخى أن نقدم الأخبار التي هي
أسلم من العيوب من غيرها وأنقى من أن يكون ناقلوها أهل
استقامة في الحديث واتقان لما نقلوا فإذا نحن تقصينا
أخبار هذا الصنف من الناس أتبعناها أخباراً يقع في
أسانيدها بعض من ليس بالموصوف بالحفظ والاتقان
كالصنف المقدم قبله، على أنهم وإن كانوا فيما وصفنا
دونهم كان اسم الستر والصدق وتعاطى العلم يشملهم،
فأما ما كان فيها عن قوم هم عند أهل الحديث متهمون أو
عند الأكثر فيهم فلسنا نتشغل بتخريج حديثهم“ (۱)

(ہم نے آنحضرت ﷺ سے منقول روایت کا قصد کیا تو ہم نے ان کی تین قسمیں کیں اور لوگوں کو تین طبقوں میں تقسیم کیا، جہاں تک پہلی قسم کا تعلق ہے تو ہم نے یہ چاہا کہ پہلے وہ حدیثیں پیش کریں جو دوسری حدیثوں کے مقابل عیوب سے محفوظ ہیں اور ہر طرح سے پاک ہیں اس طور پر کہ اس کے رواۃ جو بھی نقل کرتے ہیں وہ پوری طرح ٹھیک ٹھیک نقل کے ساتھ نقل کرتے ہیں، جب ہم نے اس قسم کی روایتیں نقل کر لیں تو ذیل میں ہم نے وہ روایتیں نقل کیں جن کی

سندوں میں بعض ایسے لوگ بھی آگئے ہیں جو حفظ و اتقان میں پہلی قسم کے رواۃ کی طرح نہیں ہیں، ان سے کم مرتبہ ہیں، ہاں عدالت، صدق اور علم سے اہتمام کی صفت ان پر بھی صادق آتی ہے، ہمیں وہ روایتیں جن کے ناقلین تمام محدثین یا اکثر محدثین کے یہاں مہتمم ہیں تو ہم نے ان کی روایتیں نقل کرنے میں اپنا وقت صرف نہیں کیا)

امام مسلم کی اس وضاحت سے بات بالکل صاف ہو جاتی ہے کہ انکا ارادہ الگ تصنیف کا نہیں تھا، انہوں نے اسی کتاب میں دو طرح کے رواۃ کی روایات لی ہیں، ایک قسم اول کے رواۃ ہیں اور اکثر روایتیں ان ہی حضرات کی ہیں، دوسرے نمبر پر ان لوگوں کی روایات ہیں جو دوسرے طبقہ کے رواۃ ہیں لیکن ان کی روایات امام صاحب نے ضمناً درج کی ہیں۔

صحیح مسلم کے مشہور شارح قاضی عیاض نے بھی شرح کی تمہید میں اس کی پوری طرح وضاحت فرمادی ہے۔ (۱)

کتاب کی خصوصیات

امام مسلمؒ نے پندرہ سال کی محنت شاقہ سے یہ کتاب تیار فرمائی، خود بھی ایک ایک حدیث کو جانچا پرکھا اور اپنے وقت کے امام ابو زرہ رازی کی خدمت میں پیش کر کے جو کمی رہ گئی تھی وہ بھی دور کر دی، وہ خود اپنی تصنیف کے متعلق فرماتے ہیں: ”ما وضعت شیئاً فی هذا المسند الا بحجة و ما أسقطت منها شیئاً الا بحجة“ (۲) (میں نے اس مسند میں جو بھی شامل کیا ہے وہ دلیل کے ساتھ کیا اور جو نہیں کیا وہ بھی دلیل کے ساتھ نہیں کیا)

صحت روایات میں یہ کتاب دنیا کے کتب خانوں میں دوسرا درجہ رکھتی ہے اگر

چہ بعض علماء نے اس کو نمبر ایک پر رکھا ہے، لیکن صحیح یہی ہے، صحت میں صحیح بخاری سے بڑھ کر کوئی کتاب نہیں، البتہ موضوعات کے اعتبار سے روایات کے جمع و ترتیب میں اس کتاب کا ثانی نہیں، اس طرح یہ کتاب خالص احادیث صحیحہ کا ایسا مرتب مجموعہ بن گئی ہے کہ شاید ہی کوئی دوسری کتاب اس امتیاز میں اس کی شریک ہو، صحت حدیث کے ساتھ حسن ترتیب میں بلاشبہ یہ کتاب فرد فرید ہے، اور شاید یہی وجہ ہے کہ بعض ائمہ نے اس کتاب کو صحیح بخاری پر بھی ترجیح دی ہے۔

ائمہ کا اعتراف

حافظ ابوعلیٰ نیشاپوری رحمۃ اللہ علیہ کا یہ جملہ بہت مشہور ہے ”ما تحت اذیم السماء اصح من کتاب مسلم فی الحدیث“ (۱) (زیر آسمان کوئی کتاب بھی مسلم کی کتاب سے زیادہ صحیح نہیں ہے)

حافظ صاحب موصوف کی یہ رائے عام علماء و ائمہ کی رائے کے خلاف ہے، اس لیے کہ تقریباً تمام علماء اس پر متفق ہیں کہ صحیح ترین کتاب بخاری کی صحیح ہے اس کے بعد امام مسلم کی صحیح کا درجہ ہے، اس لیے اکثر حضرات نے اس کو حافظ ابوعلیٰ کی ذاتی رائے قرار دیا ہے اور بعض حضرات نے اس کو حسن ترتیب پر محمول کیا ہے۔

حافظ مسلم بن قاسم فرماتے ہیں: ”لم یضع أحد مثله“ (۲) (کسی نے ایسی تصنیف نہیں کی) اور اس میں کیا شبہ ہے، صحت کے ساتھ حسن ترتیب میں یہ کتاب لا ثانی ہے۔

اسی لیے حافظ ابن حجر لکھتے ہیں:

”حصل لمسلم فی کتابہ حظ عظیم مفرط لم یحصل لأحد مثله بحیث أن بعض الناس للناس كان یفضله علی صحیح حدیث اسماعیل،

(۱) تاریخ بغداد: ۱۳-۱۰۱، المعلم: ۸۰

(۲) المعلم: ۸۰، مقدمة فتح الباری فصل ثانی

وذلك لما اختص به من جمع الطرق وجودة السياق والمحافظة على أداء اللفظ كما هي من غير تقطيع ولا رواية بمعنى“ (۱) (مسلم کو اپنی کتاب میں جو عظیم مقام حاصل ہوا وہ کسی کو حاصل نہ ہوا، اس طور پر کہ بعض لوگ اس کو محمد بن اسماعیل (بخاری) کی صحیح پر بھی فوقیت دیتے ہیں اور یہ مقام اس کی اس خصوصیت کی بناء پر ہے کہ انہوں نے اسانید یکجا کر دی ہیں، ترتیب بہت اعلیٰ رکھی ہے، روایتیں جیسی منقول تھیں ویسے ہی بیان کر دی ہیں، نہ ان کے ٹکڑے کیے اور نہ الفاظ میں فرق کیا)

کتاب میں مذکورہ بالا خصوصیات کی بناء پر حضرت امام موصوف نے فرمایا تھا:
 ”لو أن أهل الحديث يكتبون ماتى سنة الحديث فمدارهم على هذا المسند الصحيح“ (محدثین اگر دو سو سال تک بھی حدیثیں لکھتے رہیں جب بھی ان کا دار و مدار اسی مسند صحیح پر رہے گا)

امام صاحب نے جس اخلاص کے ساتھ یہ عمل انجام دیا تھا، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ دو سو سال کیا ساڑھے گیارہ سو سال گزرنے کو آئے مگر کتاب کی مقبولیت اسی طرح ہے۔

امام ترمذی

صحیحین کے بعد صحاح ستہ میں جس کتاب کو سب سے زیادہ مقبولیت ملی وہ امام ترمذی رحمہ اللہ کی جامع ہے جو ”سنن ترمذی“ کے نام سے زیادہ مشہور ہے، دروس حدیث کے حلقوں میں جو پذیرائی اس کتاب کی ہوئی وہ شاید ہی کسی کتاب کی ہوگی، اس میں بڑا حصہ اس کتاب کی جامعیت، مضامین کے تنوع، اور بہترین ترتیب کا ہے، پھر اس کتاب سے استفادہ بھی بہت آسان ہے یہی وجہ ہے کہ صحاح ستہ میں عام طور پر سب سے پہلے اسی کتاب کا درس ہوتا ہے، اس کے بعد صحاح کی اور کتابیں پڑھائی جاتی ہیں۔

ترمذ

دریائے سنجون کے کنارے ”ترمذ“ ایک مشہور شہر تھا، جہاں بڑے بڑے علماء و محدثین پیدا ہوئے، اسی لیے اس کو ”مدینۃ الرجال“ بھی کہا جاتا تھا، اس شہر سے چند میل کے فاصلہ پر ”بوغ“ نامی ایک قصبہ آباد تھا، وہی امام ترمذی کا وطن ہے، یہی وجہ ہے کہ ان کو ”بوغی“ بھی کہا جاتا ہے لیکن ”ترمذ“ کی شہرت کی وجہ سے اس کی نسبت ہی غالب رہی اور دنیا امام صاحب کو ”ترمذی“ کی نسبت سے پہچانتی ہے، یہاں یہ واضح رہنا چاہیے کہ ”ترمذی“ کے نام سے تین بزرگ معروف ہیں: ایک ابوالحسین محمد بن حسین ترمذی، یہ جلیل القدر محدثین میں سے ہیں، اور بخاری میں ان کی ایک روایت

موجود ہے، یہ ”ترمذی کبیر“ کے نام سے مشہور ہیں، دوسرے امام حکیم ترمذی جو صوفی، اور مؤذن تھے، ان کی کتاب ”نوادیر الاصول“ مشہور ہے لیکن زیادہ تر ضعیف حدیثوں پر مشتمل ہے، لیکن ان میں سب سے مشہور و مقبول یہی امام ابو عیسیٰ ترمذی ہیں جو صاحب سنن ہیں اور جن کا تذکرہ مذکورہ سطور میں پیش نظر ہے۔

ولادت اور نام و نسب

امام صاحب موصوف قصبہ ”بوغ“ میں ۲۰۹ھ میں پیدا ہوئے، بعض مؤرخین کی رائے یہ ہے کہ وہ مادر زاد نابینا تھے، مگر محققین کا کہنا ہے کہ ایک عرصہ کے بعد جب کہ وہ بڑھاپے کی منزل کو پہنچ رہے تھے، کسی مرض کی وجہ سے ان کی بینائی جاتی رہی، نام محمد، کنیت ابو عیسیٰ، والد کا نام عیسیٰ بن سورۃ تھا۔

حصول علم اور اس کے لیے اسفار

امام صاحبؒ نے حسب دستور پہلے اپنے وطن کے علماء و مشائخ سے استفادہ کیا، پھر حجاز، عراق اور خراسان کا سفر کیا اور وہاں کے مشائخ سے حدیثیں سنیں، ان کے مشائخ کی تعداد سیکڑوں میں ہے، ان میں مندرجہ ذیل حضرات خاص طور پر قابل ذکر ہیں:-

امام بخاری، امام مسلم، امام ابو داؤد، احمد بن منیع، اسحاق بن راہویہ، ابو مصعب زہری، قتیبہ بن سعید رحمہم اللہ وغیرہ۔

امام صاحب کی ذہانت، قوت حفظ اور شوق و طلب کی وجہ سے اساتذہ ان کی قدر کرتے تھے، خاص طور پر امام بخاریؒ کا ان سے خاص تعلق تھا، یہاں تک کہ امام بخاریؒ ان سے فرماتے تھے: ”ما انتفعت بك، اکثر مما انتفعت بي“ (جتنا تم نے مجھ سے فائدہ اٹھایا اس سے زیادہ میں نے تم سے اٹھایا)

یہ بھی امام موصوف کے لیے فخر کی بات ہے کہ امام بخاریؒ نے استاذ ہونے کے

باوجود بعض روایات امام ترمذی سے نقل کی ہیں، اس کی صراحت خود امام ترمذی نے فرمائی ہے کہ جب میں نے اپنے استاذ کے سامنے یہ حدیث سنائی: ”یا علی لا یحل أن یحلب فی المسجد غیر ی وغیرک“ تو یہ روایت امام صاحب کے لئے نئی تھی، اور انہوں نے مجھ سے یہ روایت سنی ہو ایک جگہ اور بھی امام ترمذی نے یہ صراحت کی ہے۔

قوت حفظ

شروع ہی سے امام صاحب کا حافظہ بہت قوی تھا، جو روایتیں سن لیتے یاد ہو جاتیں، امام ذہبیؒ ایسا ہی ایک عجیب واقعہ خود ان ہی سے سند کے ساتھ نقل کرتے ہیں، وہ فرماتے تھے: ”میں مکہ کے راستہ میں تھا، میں نے ایک شیخ کی احادیث کے جزء لکھے تھے، وہ شیخ مجھے مل گئے تو میں نے ان سے احادیث سنانے کی فرمائش کی تاکہ میں ان اجزاء کا مقابلہ کر لوں، میں نے اپنا سامان جا کر دیکھا تو وہ اجزاء مجھے نہ ملے، ان کی جگہ سادے کاغذ موجود تھے، میں وہ لے کر شیخ کی خدمت میں حاضر ہو گیا، شیخ نے حدیثیں سنائی شروع کیں، اچانک ان کی نگاہ سادے کاغذات پر پڑی تو فرمایا: تمہیں شرم نہیں آتی؟! تو میں نے پورا قصہ سنایا اور عرض کیا کہ وہ حدیثیں مجھے یاد ہو گئی ہیں، انہوں نے کہا کہ سناؤ، تو میں نے سنا دیں، تو بھی ان کو یقین نہ آیا اور انہوں نے فرمایا کہ تم نے آنے سے پہلے یہ حدیثیں دیکھ لی ہیں! تو میں نے عرض کیا: اس کے علاوہ حدیثیں سنا دیجیے، تو انہوں نے مجھے دوسری چالیس حدیثیں سنائیں پھر فرمایا کہ اب تم سناؤ، تو میں نے ان کے سامنے وہ حدیثیں دہرائیں، ایک لفظ کا بھی میں نے فرق نہیں کیا۔“ (۱)

بعض روایتوں میں یہ اضافہ بھی ہے کہ اس پر شیخ نے فرمایا: ”سارایت مثلك“ (میں نے تمہارے جیسا نہیں دیکھا) (۲)

امام ترمذیؒ کا ایک اور واقعہ مشہور ہے کہ وہ نابینا ہونے کے بعد ایک مرتبہ اونٹ پر

سوار ہو کر حج کو تشریف لے جا رہے تھے، راستہ میں ایک مقام پر انہوں نے چلتے چلتے اپنا سر جھکا لیا اور اپنے دوسرے رفقاء کو یہی کرنے کو کہا، لوگوں نے حیران ہو کر وجہ پوچھی تو فرمایا کہ کیا یہاں کوئی درخت نہیں ہے؟ ساتھیوں نے انکار کیا تو امام صاحب نے قافلہ روکنے کا حکم دیا اور فرمایا: اس کی تحقیق کرو، مجھے یاد ہے کہ سالوں پہلے میں یہاں سے گزرا تھا تو یہاں ایک درخت تھا جس کی شاخیں بہت جھکی ہوئی تھیں اور اس کے نیچے سے سر جھکائے بغیر گزرنا ناممکن تھا، شاید اب وہ درخت کسی نے کاٹ دیا ہے، اور اگر ایسا نہیں ہے تو یقیناً میرا حافظہ کمزور ہو چکا ہے اور اب میرے لیے روایت کرنا مناسب نہیں ہے، میں روایت کرنا چھوڑ دوں گا، لوگوں نے جب تحقیق کی تو پتہ چلا کہ واقعہ یہاں ایک درخت تھا، چونکہ اس سے مسافروں کو پریشانی ہوتی تھی اس لیے اس کو کٹوا دیا گیا۔ (۱)

تفقہ

صحاب ستہ کے مصنفین میں امام ترمذیؒ کو حدیث کے رسوخ کے ساتھ ساتھ تفقہ میں بھی امتیاز حاصل تھا، امام بخاریؒ کی طویل صحبت نے اس میں رنگ بھرا تھا، امام ذہبیؒ لکھتے ہیں: ”وتفقہ فی الحدیث بالبخاری“ (حدیث میں ان کو بخاری سے تفقہ حاصل ہوا) (۲)

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ نے ان کے امتیاز کا ذکر اس طرح کیا ہے:

”وکان من اول من طرق موضوع ما یسمیہ الناس الیوم الفقہ المقارن“ (جس کو لوگ آج ”قابل فقہ“ کا نام دیتے ہیں، امام ترمذیؒ نے اس کی بنیاد رکھی ہے) مولانا آگے لکھتے ہیں: ”اپنے زمانے کے مجتہدانہ مسالک کو محفوظ کر کے انہوں نے بڑا کام کیا، امت پر ان کا یہ احسان ہے جس کا اعتراف امت پر واجب ہے، اگر امام ان مسالک کو محفوظ نہ کرتے تو اکثر حصہ ضائع ہو جاتا، حدیث کے موضوع پر

(۱) درس ترمذی: ۱۳۳/۱ (۲) تذکرۃ الحفاظ: ۱۸۷/۲

جو کتابیں لکھی گئی ہیں امام ترمذی کی سنن کو اس میں خاص امتیاز حاصل ہے، اختلافات ائمہ کے سلسلہ میں سب سے قدیم اور قابل اعتماد مرجع یہی کتاب ہے، خاص طور پر جو مسالک متروک ہو گئے ان کا علم بس اسی کتاب سے ہوتا ہے، جیسے امام اوزاعیؒ، امام ثوریؒ، امام اسحاق بن راہویہؒ وغیرہ کے مسالک“ (۱)

ائمہ کا خراج تحسین

صحاح ستہ کے مصنفین میں امام ترمذی کو بعض وہ امتیازات حاصل ہیں جن میں وہ منفرد ہیں، سب سے پہلے انہوں نے ہی تقابلی فقہ کی بنیاد ڈالی، اور ان ائمہ متقدمین کے مسالک علماء کے لیے محفوظ کر دیئے جو آج فقہ کی کتابوں میں بھی مشکل سے ملتے ہیں، اور علم حدیث میں تو وہ بعد والوں کے لیے مقتدی کی حیثیت رکھتے ہیں، حافظ ابن حجرؒ اور یسی سے ناقل ہیں: ”امام ترمذی ان لوگوں میں سے ہیں جو علم حدیث میں لائق تقلید ہیں۔“ جامع، لکھی، تاریخ، لکھی، اور ”العلل“ تصنیف کی، ان میں پورے اتفاق کے ساتھ ان کی عالمانہ شان نظر آتی ہے، قوت حفظ میں وہ ضرب المثل تھے۔“ (۲)

امام حاکم نیشاپوریؒ فرماتے ہیں: ”میں نے عمر بن علیؓ سے یہ کہتے سنا کہ ”بخاری دنیا سے گئے تو پورے خراسان میں انہوں نے ایسا انسان نہیں چھوڑا جو علم، قوت حفظ، زہد و تقویٰ میں ترمذی کے ہم پلہ ہو، اتنا روتے تھے کہ پینا کی جاتی رہی اور سالوں ناپیدار ہے“ (۳)

امام ذہبیؒ نے ان کے لیے ”الحافظ العلم الامام البارع“ کے الفاظ تحریر فرمائے ہیں، یعنی یہ کہ وہ حافظ حدیث، علم کا نشان اور ماہر امام تھے۔ (۴)

امام ہرموزیؒ لکھتے ہیں: ”أحد الأئمة الحفاظ المبرزين ومن نفع الله به

(۱) نظرات فی الحدیث: ۱۰۷-۱۰۸

(۲) سیر أعلام النبلاء: ۳۷۳/۱۳

(۳) تہذیب التہذیب: ۳۴۰/۹

(۴) سیر أعلام النبلاء: ۲۷۰/۱۳

المسلمین“ (ممتاز حفاظ حدیث اور اماموں میں سے ایک تھے، اور ان لوگوں میں سے جن سے اللہ نے مسلمانوں کو فائدہ پہنچایا) (۱)

امام ابن کثیر فرماتے ہیں: ”هو أحد أئمة هذا الشأن في زمانه“ (ان علوم میں اپنے زمانے کے اماموں میں سے تھے) (۲)

ابن العماد حنبلی کا کہنا ہے: ”كان مبرزاً على الأقران، آية في الحفظ والاتقان“ (ہم عمروں میں ممتاز تھے، اور حفظ و اتقان میں ایک نشانی تھے۔ (۳)

امام ترمذی کے لیے یہ بات قابل فخر ہے کہ ان کے استاذ و شیخ امام بخاری نے ان کو خطاب کر کے فرمایا تھا ”ما انتفعت بك، أكثر مما انتفعت بي“ (تم نے مجھ سے جو فائدہ اٹھایا اس سے زیادہ میں نے تم سے فائدہ اٹھایا) (۴)

یہ امام بخاری کی طرف سے امام ترمذی کے لیے ایک تمغہ امتیاز ہے، اور یہ چیز بھی ان کے لیے باعث فخر ہے کہ امام بخاری نے ایک روایت خود ترمذی سے نقل کی ہے، وہ روایت نقل کر کے امام ترمذی لکھتے ہیں: ”محمد بن اسماعیل (بخاری) نے مجھ سے یہ حدیث سنی، اور ان کے لیے یہ حدیث نئی تھی“ (۵)

وفات

دوشنبہ کی شب ۱۳/ رجب ۲۷۹ھ کو یہ آفتاب جہاں سے اٹھا تھا وہیں غروب ہو گیا، ”بوغ“ جو ”ترمذ“ سے چند میل کے فاصلے پر ہے وہیں امام صاحب کی ولادت ہوئی تھی، اور وہیں وفات ہوئی۔

(۱) تہذیب الکمال: ۲۶/۲۵۰

(۲) البداية والنهاية: ۷۱/۶، طبع دار البیان

(۳) شذرات الذهب: ۳۴۲/۲، طبع بیروت (۴) تہذیب التہذیب: ۳۴۵/۹

(۵) جامع الترمذی: ۳۰۹-۳۱۰

تصنیفات

امام ترمذی کی تصنیفات کی ایک فہرست نقل کی جاتی ہے لیکن ان میں چند ہی کتابیں محفوظ رہیں، مگر جو بھی ہیں وہ اپنے اپنے فن میں منفرد ہیں، سنن کے علاوہ ان کی سب سے مشہور کتاب ”الشمائل“ ہے جس میں انہوں نے اسانید سے آنحضور ﷺ کا حلیہ مبارک اور عادات و اخلاق عالیہ نقل کیے ہیں، اس کتاب کو بہت مقبولیت حاصل ہوئی، اس فن میں یہ سب سے پہلی کتاب ہے، اس کی چالیس سے زیادہ شروحات لکھی گئیں۔

دوسری مشہور کتاب ”العلل“ ہے جو سنن کے اخیر میں موجود ہے، وہ بھی اپنے فن میں منفرد کتاب ہے، علوم حدیث کے سلسلہ کی یہ اولین کتابوں میں ہے، حافظ ابن رجبؒ نے اس کی بڑی مفید شرح لکھی ہے جو ڈاکٹر نور الدین عتر کی تحقیق کے ساتھ شائع ہو چکی ہے۔

امام صاحب کی ایک کتاب ”تسمیة أصحاب رسول اللہ“ کے نام سے بھی ہے، اس میں سات سواٹھائیس صحابہ کے نام نسبت اور کنیت کے ساتھ درج ہیں، لیکن امام صاحب کی سب سے مشہور کتاب ”سنن الترمذی“ ہے جس نے ان کو ممتاز ترین محدثین اسلام کی فہرست میں نمایاں مقام عطا کیا ہے۔

سنن الترمذی

سنن ترمذی کو صحاح ستہ میں ایک نمایاں مقام حاصل ہے، ایک طرف اس میں احکام کی احادیث ہیں، دوسری طرف کوئی اہم موضوع نہیں چھوٹا جس کی روایات امام صاحب نے جمع نہ کی ہوں، چالیس سے زیادہ موضوعات کا انہوں نے احاطہ کیا ہے، پھر مسالک فقہاء کے تذکرہ کے علاوہ علوم حدیث کی مختلف قسموں کو اس طرح انہوں نے اپنی کتاب میں سمودیا ہے کہ یہ کتاب علوم حدیث کا ایک حسین گلدستہ بن گئی ہے، چنانچہ حافظ ابو جعفر بن الزبیر فرماتے ہیں: ”امام ترمذی کو علم حدیث کے مختلف فنون کو جمع کرنے کے لحاظ سے جو امتیاز حاصل ہے اس میں کوئی اور ان کا شریک نہیں“ (۱)

صحاح میں ”جامع“ کا اطلاق صرف دو کتابوں پر ہوتا ہے: ایک امام بخاری کی ”صحیح“ پر، دوسرے امام ترمذی کی ”جامع“ پر، اور ”جامع“ اسی کتاب کو کہتے ہیں جن میں بنیادی طور پر آٹھ موضوعات کا احاطہ ہو:-

(۱) عقائد (۲) احکام (۳) آداب (۴) سیر (۵) فتن (۶) اشرط (۷)

تفسیر (۸) مناقب۔

مولانا محمد تقی عثمانی صاحب کتاب کے امتیازات بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

(۱) یہ کتاب بیک وقت جامع بھی ہے، اور سنن بھی، اس لیے کہ

اسے فقہی ترتیب پر مرتب کیا گیا ہے۔

(۲) اس کتاب میں احادیث کا تکرار نہیں۔

(۳) اس میں امام ترمذیؒ نے تمام فقہاء کے بنیادی مسئلہ کو جمع کیا ہے، اور ہر ایک کے لیے جدا باب قائم کیا ہے۔

(۴) ہر باب میں امام ترمذیؒ نے فقہاء کے مذاہب بالالتزام بیان کیے ہیں، جس کی وجہ سے یہ کتاب حدیث کے ساتھ فقہ کا بھی قابل قدر ذخیرہ بن گئی ہے۔

(۵) امام ترمذیؒ ہر حدیث کے بارے میں اس کا درجہ استناد بھی بتاتے ہیں، اور سند کی کمزوریوں کی تفصیل کے ساتھ نشان دہی کرتے ہیں۔

(۶) ہر باب میں امام ترمذیؒ ایک یا دو تین احادیث ذکر کرتے ہیں، اور ان احادیث کا انتخاب کرتے ہیں جو عموماً دوسرے ائمہ نے نہیں نکالیں، لیکن ساتھ ہی ”وفی الباب عن فلان و فلان“ کہہ کر ان احادیث کی طرف اشارہ کر دیتے ہیں جو اس باب میں آسکتی ہیں، چنانچہ بہت سے علماء نے صرف امام ترمذیؒ کی ”وفی الباب“ کی تخریج پر مستقل کتابیں لکھی ہیں۔

(۷) اگر حدیث طویل ہو تو امام ترمذیؒ عموماً اس میں سے صرف وہ حصہ ذکر کرتے ہیں جو باب سے متعلق ہو، اسی لیے ترمذی کی احادیث مختصر اور چھوٹی ہیں، اور انہیں یاد رکھنا آسان ہے۔

(۸) اگر کسی حدیث کی سند میں کوئی علت یا اضطراب ہو تو امام ترمذیؒ اس کی مفصل تشریح فرماتے ہیں۔

(۹) امام ترمذیؒ کا معمول ہے کہ وہ مشہور راویوں کا تعارف بھی کراتے ہیں، بالخصوص جو راوی نام سے مشہور ہیں ان کی کنیت، اور جو کنیت سے مشہور ہیں ان کا نام بیان فرماتے ہیں تاکہ اشتباہ باقی نہ رہے، اور بعض اوقات اس

پر بحث بھی کرتے ہیں کہ راوی کا مروی عنہ سے سماع ثابت ہے یا نہیں۔

(۱۰) جامع ترمذی کی ترتیب بہت آسان اور اس کے تراجم ابواب

نہایت سہل ہیں، اور اس سے حدیث کا تلاش کرنا بہت آسان ہے۔“ (۱)

یہی امتیازات ہیں جن کی بنیاد پر اس کتاب کو جو قبول عام حاصل ہوا وہ شاید صحیح بخاری کے بعد کسی کتاب کو حاصل نہیں ہوا، شیخ الاسلام ابو عبد اللہ انصاریؒ فرماتے تھے:

”کتابہ عندی أنفع من کتاب البخاری و مسلم؛ لأن کتابی البخاری

و مسلم لا یقف علی الفائدة منہما الا المتبحر العالم، و کتاب ابی عیسیٰ

یصل الی فائدته کل أحد من الناس“ (ان کی کتاب میرے نزدیک بخاری و مسلم

کی کتاب سے زیادہ مفید ہے، کیونکہ ان دونوں کتابوں سے وہی فائدہ اٹھا سکتا ہے جو

تبحر عالم ہو، لیکن ابویسیٰ کی کتاب سے ہر شخص فائدہ اٹھا سکتا ہے) (۲)

خود امام ترمذیؒ اپنی اس تصنیف کا تذکرہ یوں فرماتے ہیں:-

”صنفتُ هذا المسندَ الصحیح و عرضتُه علی علماء الحجاز

فَرَضُوا به، و عرضتُه علی علماء العراقِ فَرَضُوا به، و عرضتُه

علی علماء خراسانِ فَرَضُوا به، و من كان فی بیتہ هذا

الکتابُ فکانما فی بیتہ نبیٌ ینطق - و فی رواية ”یتکلم“

میں نے ”المسند الصحیح“ (سنن ترمذی) تصنیف کر کے علماء حجاز کے سامنے

پیش کی تو انہوں نے پسند کی، علمائے عراق کے سامنے پیش کی تو انہوں نے پسند

کی، علمائے خراسان کے سامنے پیش کی تو انہوں نے پسند کی، اور جس گھر میں

یہ کتاب موجود ہے اس کے گھر میں گویا پیغمبر موجود ہے جو تارہا ہے۔

سنن ترمذی کے سلسلہ میں بڑا جامع تبصرہ وہ ہے جو حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ

نے صحاح ستہ کا جائزہ لیتے ہوئے فرمایا ہے:-

”اور ان میں چوتھی شخصیت امام ترمذیؒ کی ہے جنہوں نے

شیخین کا طریقہ بھی بہتر سمجھا کہ ان دونوں حضرات نے بڑی وضاحت سے کام لیا ہے اور کسی طرح کا غموض نہیں رکھا، اور امام ابوداؤد کا طریقہ بھی بہتر سمجھا کہ انہوں نے مختلف مسالک کے دلائل جمع کر دیئے ہیں، پس امام ترمذی نے دونوں طریقوں کو جمع کیا، اور مستزاد یہ کہ صحابہ و تابعین اور فقہاء کے مسالک بھی نقل کر دیئے تو اس طرح بڑی جامع کتاب تیار فرمائی، حدیث کی سندوں کا بڑا لطیف اختصار اس طرح کر دیا کہ ایک کا ذکر فرما کر وہ اس کے علاوہ کی طرف اشارہ بھی فرمادیتے ہیں، پھر ہر حدیث کے بارے میں یہ بھی صراحت کر دی کہ وہ ”صحیح“ ہے ”حسن“ ہے یا ”ضعیف“ یا ”منکر“ ہے، اور کمزوری کے اسباب بھی بیان کر دیئے تاکہ طالب علم پوری طرح باخبر رہے اور صحیح احادیث کو علیٰ وجہ البصیرۃ سمجھ سکے، مزید انہوں نے یہ بھی وضاحت فرمادی ہے کہ حدیث مشہور ہے یا غریب ہے، اور اس سلسلہ میں بھی صحابہ اور فقہاء کی آراء نقل کر دی ہیں، پھر جس کے نام کا تذکرہ ضروری سمجھا، نام کا تذکرہ کیا، اور جس کی کنیت بیان کرنی ضروری سمجھی، اس کی کنیت بیان کی اور اہل علم کے لیے کوئی گوشہ تشنہ نہیں چھوڑا، اسی لیے یہ بات کہی جاتی ہے کہ وہ مجتہد کے لیے بھی کافی ہے، اور مقلد کا کام بھی اس سے پورا ہوتا ہے۔“ (۱)

شروعات

سنن ترمذی کی شروعات لکھنے والوں میں قاضی ابوبکر ابن العربی کو اولیت حاصل ہے، ان کی شرح کا نام ہے ”عارضۃ الأحوذی“ ان کے بعد امام ابن سید الناس، علامہ عراقی اور علامہ بلقینی نے شروعات لکھیں لیکن کسی کی شرح مکمل نہ ہو سکی، علامہ سیوطی نے

بھی اس کی شرح لکھی، جس کا اختصار ”نفع قوت المغنذی“ کے نام سے ہندوستانی نسخوں میں بھی موجود ہے، اس کے مصنف علامہ علی بن سلیمان دہلی ہیں۔

ہندوستانی علماء نے اس کی جو شروحات لکھی ہیں ان میں اہل حدیث عالم مولانا عبدالرحمن مبارک پوریؒ کی شرح سب سے زیادہ مقبول ہوئی، ان کے علاوہ مولانا محمد یوسف بنوریؒ نے بھی اس کی بڑی فاضلانہ شرح لکھنی شروع کی تھی جو مکمل نہ ہو سکی، اور اس کی ”کتاب الحج“ تک چھ جلدیں شائع ہوئیں۔

ان شروحات کے علاوہ حضرت مولانا رشید احمد ننگوہیؒ، حضرت مولانا محمود حسن صاحب دیوبندیؒ اور علامہ انور شاہ کشمیریؒ کے دروس و آمالی بھی عربی میں شائع ہوئے، اردو میں مولانا محمد تقی عثمانیؒ کے درس ترمذی اور مولانا سعید احمد پالن پوری کے درس کو جو ”تحفة الألمعی“ کے نام سے شائع ہوا، بڑی مقبولیت حاصل ہوئی۔

سنن ترمذی کا ایک قیمتی نسخہ وہ بھی ہے جو حضرت سید احمد شہیدؒ کے خاندان کے ایک بزرگ مولانا قطب الہدیٰ محدثؒ نے حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کے درس کے دوران لکھا، اس میں ان کے درس کے کچھ آمالی بھی موجود ہیں، یہی نسخہ علامہ عبداللہ حسنیؒ کے پیش نظر رہا جب انہوں نے محدث یمن علامہ حسین بن محسن انصاریؒ سے ترمذی سبقتاً پڑھی، اور انہوں نے بھی چند جگہ کچھ حواشی تحریر فرمائے، پھر حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ نے حضرت مولانا حیدر حسن خاں صاحبؒ شیخ الحدیث دارالعلوم ندوۃ العلماء سے اسی نسخہ میں پڑھا، اور کہیں کہیں حواشی بھی لکھے۔

یہ امام ترمذیؒ اور ان کی سنن کا مختصر تذکرہ ہے، عربی میں خاص طور پر بڑی فاضلانہ کتابیں اس پر لکھی گئی ہیں، جن میں ڈاکٹر نور الدین عمر کا یہ خاص موضوع ہے، انہوں نے متعدد کتابیں اس موضوع پر تصنیف کی ہیں، جن میں ”الموازنة بین جامع الترمذی والصحیحین“ خاص کی چیز ہے، مولانا عبدالرحمن مبارک پوریؒ نے ”تحفة الأحوذی“ کا مقدمہ مستقل ایک ضخیم جلد میں تصنیف فرمایا ہے، جس میں امام ترمذیؒ، ان کی تصنیفات خاص طور پر ”سنن“ اور اس کی شروحات کا بھرپور تذکرہ کیا ہے۔

امام ابو داؤدؒ

صحاح ستہ کے مصنفین میں شیخین کے بعد امام ابو داؤد ہی کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ خود صحاح کے مصنفین میں سے امام نسائی اور امام ترمذی دونوں ان کے شاگرد ہیں، اور ان کی سنن اس حیثیت سے فائق ہے کہ احادیث احکام کا جتنا بڑا ذخیرہ اس کتاب میں ہے وہ صحاح ستہ میں اور کسی کتاب میں نہیں ہے، یہی وجہ ہے کہ کتاب تصنیف ہوتے ہی اس کو جو قول عام حاصل ہوا وہ شاید ہی دوسری کتاب کو حاصل ہوا ہو۔

ولادت اور نام و نسب

امام صاحب کی ولادت ۲۰۲ھ میں ہوئی، یمن کے ایک قبیلہ ”ازد“ سے ان کا نسبی تعلق تھا، کہا جاتا ہے کہ ان کے اجداد میں سے ”عمران“ جنگ صفین میں حضرت علی کے ساتھ تھے اور اسی میں شہید ہوئے (۱) غالباً ان کے دادا یا پرداوانے ”بجستان“ کا رخ کیا ہوگا وہیں ان کی ولادت ہوئی، نام سلیمان، والد کا نام اشعث بن اسحاق ہے، ابو داؤد کنیت ہے۔

طلب علم

امام صاحب کے ابتدائی حالات پردہٴ خفا میں ہیں، اندازہ ہوتا ہے کہ ان کے والد صاحب نے اپنی اولاد کی تعلیم و تربیت کی فکر کی، یہی وجہ ہے کہ امام صاحب کے بڑے

(۱) تہذیب التہذیب: ۱۴۹/۴

بھائی محمد بن الاشعث نے بھی تحصیل علم کی طرف توجہ کی اور علمی اسفار میں دونوں شریک رہے، لیکن ان کی عمر نے وفاتہ کی اور جلد ہی ان کی وفات ہوگئی، امام صاحب نے سب سے پہلا سفر بغداد کا کیا، اس وقت ان کی عمر اٹھارہ سال کی تھی اس کے بعد ہی وہ بصرہ تشریف لے گئے پھر علمی اسفار کا سلسلہ جو شروع ہوا تو مصر، شام، عراق، حجاز اور دوسرے اسلامی شہروں کا رخ کیا اور وہاں کے محدثین سے حدیثیں سنیں، امام کثیر لکھتے ہیں:

”ابوداؤد السجستانی أحد أئمة الحديث الرحالين الى الآفاق في طلبه“ (۱) (ابوداؤد انمہ حدیث میں ہیں جنہوں نے طلب حدیث کے لیے دور دور کی خاک چھانی)

مشائخ

امام ابوداؤد نے بڑے شہروں میں اہم مراکز علمی کے دورے کیے، اور محدثین کی ایک بڑی تعداد سے استفادہ کیا، حافظ ابن حجر لکھتے ہیں کہ ان کے مشائخ کی تعداد تقریباً تین سو تک پہنچتی ہے (۲) ان میں مشہور ترین حضرات میں امام یحییٰ بن معین، امام اسحاق بن راہویہ، امام بن ابی شیبہ جیسے حضرات شامل ہیں، ان کے مشائخ میں ایک تعداد ان حضرات کی بھی ہے جو حضرات شیخین بخاری و مسلم کے بھی اساتذہ میں سے ہیں۔

امام احمد سے استفادہ

ان مشائخ میں سب سے نمایاں نام حضرت امام احمد بن حنبلؒ کا ہے، جن سے امام موصوف نے سب سے زیادہ استفادہ کیا، کہا جاسکتا ہے کہ ان کی فقہی بصیرت امام احمد کی مرہون منت ہے۔

امام ذہبی تحریر فرماتے ہیں:

”كان أبو داود مع إمامته في الحديث و فنونه من كبار الفقهاء فكتابه

يدل على ذلك وهو من نجباء أصحاب الإمام أحمد لازم مجلسه مدة
وسأله عن دقائق المسائل في الفروع والأصول“ (۱) (حدیث اور علوم حدیث
میں رتبہ امامت پر فائز ہونے کے ساتھ ساتھ وہ بڑے فقہاء میں سے تھے ان کی کتاب
اس کی دلیل ہے، وہ امام احمد کے ارشد تلامذہ میں سے تھے، ایک مدت ان کے ساتھ
گزاری اور اصول و فروع کے دقیق مسائل ان سے معلوم کرتے رہے)

یہی وہ مسائل ہیں جو انہوں نے مستقل ایک کتاب میں جمع فرمادیئے ہیں جو
”مسائل الامام احمد“ کے نام سے علامہ رشید رضا کی تحقیق کے ساتھ شائع ہو چکی
ہے، اس کتاب سے فقہ میں امام صاحب کے بلند مقام کا اندازہ ہوتا ہے، اس میں
انہوں نے بڑی دیانت اور امانت کے ساتھ امام احمد کی آراء جمع فرمادی ہیں۔

امام صاحب سے امام ابو داؤد نے مختلف حیثیتوں سے فائدہ اٹھایا، ان کے زہد و
ورع اور اخلاق و تقویٰ کا بھی عکس جمیل ان پر نظر آتا ہے، علامہ ابن کثیر ابو موسیٰ کے حوالہ
سے لکھتے ہیں:

”تفقه أبو داؤد بأحمد بن حنبل ولازمه مدة، وبلغنا عن بعض
الأئمة أن أبا داؤد يشبه بأحمد بن حنبل في هديه وسمته ودله،
وكان أحمد يشبه بوكيع وو كيع بسفيان، وسفيان بمنصور،
ومنصور بابراهيم، وهو بعلقمه، وهو بابن مسعود، وقال علقمة
كان ابن مسعود يشبه بالنبي ﷺ“ (۲) (امام ابو داؤد نے امام احمد
سے تفقہ حاصل کیا اور ایک زمانہ تک ان کے ساتھ رہے، بعض ائمہ سے
معلوم ہوا کہ وہ اپنی سیرت و کردار اور طور طریق میں امام احمد کے مشابہ تھے
اور احمد و کعب کی طرح تھے اور کعب سفیان کی طرح اور سفیان منصور کی طرح

(۱) سیر اعلام النبلاء: ۲۱۵/۱۳

(۲) سیر اعلام النبلاء: ۲۱۶/۱۳، والبدایة والنہایة: ۵۹/۱۱

اور منصور براہیم کی طرح اور براہیم علقمہ کی طرح اور وہ ابن مسعود کی طرح، اور علقمہ فرماتے تھے کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مشابہت رکھتے تھے) سیرت و اخلاق کا یہ تسلسل جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے چل کر امام احمد کے واسطے سے امام ابو داؤد تک پہنچا یہ ان کے لیے ایک سند کا درجہ رکھتا ہے۔

یہ بھی ان کے لیے بڑے فخر کی بات ہے کہ ان کے مایہ ناز استاذ و شیخ حضرت امام احمد نے ایک روایت خود امام ابو داؤد سے بھی نقل کی ہے، علوم حدیث کی اصطلاح میں ”روایۃ الأکابر عن الأصاغر“ کی یہ ایک اعلیٰ مثال ہے۔

امام صاحب کے دل میں امام احمد کی طرح دوسرے ائمہ فقہ کے لیے بھی محبت و عقیدت کے جذبات تھے، امام ابن عبدالبر اپنی سند سے لکھتے ہیں:

”کان یقول: رحم اللہ مالکاً کان إماماً، رحم اللہ الشافعی کان إماماً، رحم اللہ أبا حنیفة کان إماماً“ (۱) (خدا کی رحمت ہو مالک پر وہ امام تھے، خدا کی رحمت ہو شافعی پر وہ امام تھے، خدا کی رحمت ہو ابوحنیفہ پر وہ امام تھے)

علمی مقام

حدیث میں امام صاحب موصوف کی اہمیت کے لیے یہی کافی ہے کہ وہ صحاح ستہ کے مصنفین میں نمایاں مقام رکھتے ہیں، ان کے بارے میں یہ جملہ بہت مشہور ہے کہ: ”الین لأبسی داؤد الحدیث کما ألین لداؤد الحدید“ (۲) (ابو داؤد کے لیے حدیثیں ایسی آسان کر دی گئی ہیں جیسے حضرت داؤد علیہ السلام کے لیے لوہا نرم کر دیا گیا تھا)

ابن مندہ فرماتے ہیں: وہ چار ائمہ جنہوں نے صحیح حدیث کی تخریج کی اور ثابت کو

سقیم سے اور خطا کو صواب سے جدا کیا یہ ہیں: بخاری، مسلم، ابو داؤد، نسائی۔ (۱)

حدیث میں اس بلند مقام کے ساتھ ان کو یہ امتیاز حاصل ہے فقہ میں بلند پایہ رکھتے ہیں، امام ذہبی لکھتے ہیں ”کان رأساً فی الفقہ رأساً فی الحدیث“ (وہ فقہ میں بھی بلند مقام پر تھے اور حدیث میں بھی بلند مقام پر تھے)

حافظ موسیٰ بن ہارون فرماتے ہیں ”خلق ابو داؤد فی الدنیا للحدیث وفی الآخرة للحنہ“ (۲) (ابو داؤد کو دنیا میں حدیث کے لیے اور آخرت میں جنت کے لیے پیدا کیا گیا)

حاکم نیشاپوری فرماتے ہیں ”ابو داؤد امام اہل الحدیث فی عصرہ بلا مدافعة“ (۳)

فن حدیث میں اس بلند مرتبہ کے ساتھ فقہ میں بھی ان کا بلند مقام تھا، ان کے اسی فقہی ذوق کا نتیجہ تھا کہ انہوں نے اپنی کتاب کو صرف احادیث احکام کے لیے خاص فرمایا، اور ان کے اسی فقہی ذوق کی وجہ سے علامہ ابواسحاق شیرازی نے ”طبقات الفقہاء“ میں ان کا تذکرہ کیا ہے۔

زہد و احتیاط اور محبوبیت

زہد و تقویٰ میں بھی امام صاحب بلند مقام رکھتے تھے، ان کی زندگی ایک قابل تقلید نمونہ کی زندگی تھی، حضرت سہل بن عبداللہ تستری جو کبار اولیاء اللہ میں سے ہیں ایک مرتبہ خود حاضر خدمت ہوئے اور عرض کیا: مجھے آپ سے ایک ضرورت ہے امام صاحب نے فرمایا: کیا ضرورت ہے؟ حضرت سہیل نے فرمایا: میں اس وقت جاؤں گا جب آپ یہ وعدہ کریں کہ اگر میرے بس میں ہو تو میں ضرور پورا کروں گا، امام صاحب نے فرمایا

(۱) سیر اعلام النبلاء: ۱۳۱-۲۱۲ (۲) تہذیب التہذیب: ۴-۱۰۱

(۳) تہذیب التہذیب: ۴-۱۰۱

کہ اگر میں کرسکا تو ضرور کروں گا، حضرت سہیل نے فرمایا: آپ نے جس زبان سے اللہ کے رسول ﷺ کی حدیثیں بیان کی ہیں، میں اس کا بوسہ لینا چاہتا ہوں، امام صاحب نے زبان نکالی اور حضرت سہیل نے بوسہ لیا (۱)

امام ابو حاتم رازیؒ فرماتے ہیں: ”کان الامام أبو داؤد أحد أئمة الدنيا فقهاً وعلماً وحفظاً ونسكاً وورعاً واتقاناً“ (۲) (امام ابو داؤدؒ ثقافت میں، علم میں، حفظ میں، عبادت و ورع میں اور علم کی پختگی میں دنیا کے اماموں میں سے ایک ہیں)

امام ابو داؤد کے خادم ابو بکر بن جابر ناقل ہیں کہ ایک مرتبہ ہم بغداد میں امام صاحب کے ساتھ تھے مغرب کی نماز سے فارغ ہوئے تو کسی نے دروازے پر دستک دی میں نے جا کر دروازہ کھولا تو وہاں امیر ابو احمد الموفق موجود تھے، انہوں نے اندر آنے کی اجازت چاہی، امام صاحب نے اجازت دی اور دریافت فرمایا کہ اس وقت کیسے زحمت فرمائی؟ امیر نے کہا کہ تین ضرورتیں ہیں، امام صاحب نے کہا فرمائیے، امیر نے کہا کہ آپ بصرہ منتقل ہو جائیں، اور وہاں سکونت اختیار کر لیں تاکہ لوگ وہاں آپ کی خدمت میں حاضر رہیں امام صاحب نے فرمایا دوسری بات، اس امیر نے کہا کہ آپ میرے بچوں کو سنن کی روایات سنا دیں، امام صاحب نے فرمایا تیسری ضرورت کیا ہے، امیر نے کہا کہ ان بچوں کو الگ سے سنائیں اس لیے کہ امیر کے بچے عام لوگوں میں نہیں بیٹھ سکتے، امام صاحب نے فرمایا: یہ تیسری چیز تو ممکن نہیں، اس لیے کہ اس علم کے سامنے سب چھوٹے بڑے برابر ہیں، ابن جابر کہتے ہیں اس کے بعد سے امیر کے بیٹے آتے تھے اور سب کے ساتھ بیٹھ کر حدیثوں کی سماعت کرتے تھے، ایک پردہ درمیان میں ڈال دیا جاتا تھا۔ (۳)

(۱) (وفیات الأعيان: ۲-۴۰۴-۴۰۵، شذرات الذهب: ۲۳۱/۲-۲۳۲)

(۲) البداية والنهاية: ۱۱-۵۵

(۳) معالم السنن ۱-۷، تاریخ دمشق ابن عساکر ۲۳-۱۳۳

علماء کا خراج تحسین

حدیث و فقہ میں درجہ امامت پر فائز ہونے کے ساتھ ساتھ زہد و ورع میں بھی امام صاحب کو امامت کا منصب حاصل تھا، ہر زمانے کے علماء نے امام صاحب کی اس جامعیت کا اعتراف کیا ہے۔

حضرت ابو بکر خلیلؓ فرماتے ہیں: ”ابوداؤد اپنے زمانے میں ممتاز ترین ائمہ میں سے تھے، علوم کی تخریج اور ان کے مقامات سے واقفیت میں اپنے زمانے میں ان کی کوئی نظیر نہیں تھی، تقویٰ میں بھی ممتاز تھے“۔ (۱)

احمد بن یاسین فرماتے ہیں: ”حدیث، علوم حدیث اور علل و اسانید کے حافظ تھے، زہد و عبادت اور اصلاح و ورع میں بلند ترین مقام حاصل تھا، حدیث میں بہت آگے جانے والوں میں تھے“۔ (۲)

حافظ ابن حبان بستی فرماتے ہیں: ”امام ابوداؤد فقہ، علم، حفظ، عبادت، زہد اور امامت میں دنیا کے اماموں میں سے تھے، روایتیں جمع کیں، تصنیف کا کام کیا، حدیث و سنت کا دفاع کیا“۔ (۳)

موسیٰ بن ہارون کہتے تھے کہ ”میں نے ابوداؤد سے افضل کسی کو نہیں دیکھا“۔ امام ابن جوزی کا بیان ہے کہ: ”عالم تھے، علل حدیث کے ماہر تھے، زہد و تقویٰ سے آراستہ تھے، اور امام احمد بن حنبل سے مشابہ تھے“۔ (۴)

امام نوویؒ فرماتے ہیں: ”ابوداؤد کی تعریف میں سب رطب اللسان ہیں، قوت حفظ، رسوخ فی العلم، مہارت اور زہد، دینداری اور حدیث میں گہرے فہم پر تمام علماء کا اتفاق ہے“۔ (۵)

(۱) سیر أعلام النبلاء: ۱۳-۲۱۱ (۲) سیر أعلام النبلاء: ۱۳-۲۱۱

(۳) سیر أعلام النبلاء: ۱۳-۲۱۲ (۴) مقدمہ بذل المحمود: ۹۸/۱ بحوالہ المتظم

لابن الجوزی، ۵-۹۷ (۵) تہذیب الأسماء واللغات: ۲/۲۵۰

وفات

امیر ابوالاحمد کی درخواست پر امام صاحب نے بصرہ میں سکونت اختیار کر لی تھی، وہیں شوال ۲۷ھ میں ان کی وفات ہوئی، اور حضرت سفیان ثوریؒ کے پہلو میں مدفون ہوئے، ایک فرزند یادگار چھوڑا جو خود آگے چل کر حدیث کے امام ہوئے اور ابوبکر عبداللہ بن ابی داؤد کے نام سے مشہور ہوئے، امام صاحب نے ان کی تعلیم و تربیت کا بڑا اہتمام فرمایا تھا، امام کے متعدد مشائخ سے انہوں نے بھی روایات سنیں۔

امام صاحب کی کنیت ابو داؤد سے اندازہ ہوتا ہے کہ داؤد نام کے ہی ان کے کوئی فرزند رہے ہوں گے لیکن تاریخ میں ان کا کوئی تذکرہ نہیں ملتا، ممکن ہے بچپن میں وفات ہو گئی ہو۔

تصنیفات

امام صاحب نے متعدد کتابیں اور رسائل تصنیف فرمائے، ذیل میں اس کی تفصیل نقل کی جا رہی ہے۔

(۱) المراسیل، مطبوعہ

(۲) الرد علی القدریۃ، اس کا تذکرہ حافظ ابن حجرؒ نے تہذیب التہذیب میں

اور امام سیوطیؒ نے تلخیص الراوی میں کیا ہے۔

(۳) الناسخ و المنسوخ، حافظ ابن حجرؒ اور امام سیوطیؒ نے اس کا تذکرہ کیا ہے۔

(۴) مسائل الامام احمد، اس کتاب کا ذکر پہلے بھی ہو چکا ہے، فقہی ابواب کی

ترتیب پر یہ کتاب تصنیف کی گئی ہے اور علامہ رشید رضا مصریؒ کی تحقیق کے ساتھ شائع

ہو چکی ہے۔

(۵) کتاب الزہد، مطبوعہ

(۶) رسالہ بسلسلہ تعارف السنن، یہ اہل مکہ کے نام امام صاحب کا ایک تفصیلی مکتوب ہے جس میں امام صاحب نے اپنی سنن کا تعارف کرایا ہے اور اپنا منہج بتایا ہے اور اس کی خصوصیات پر روشنی ڈالی ہے، یہ رسالہ علامہ زاہد الکوثری کی تحقیق و حواشی کے ساتھ ۱۳۶۹ھ میں مستقل چھپ چکا ہے، حضرت مولانا غلیل احمد صاحب سہارنپوریؒ کی بذل المجہود کے ساتھ بھی ۱۳۹۳ھ میں چھپا اور شیخ عبدالفتاح ابوعدہ نے بھی اپنی تحقیق اور حواشی کے ساتھ اس کو شائع کیا۔

(۷) کتاب البعث والنشور، مطبوعہ

ان مطبوعہ رسائل کے علاوہ تقریباً چودہ، پندرہ رسائل غیر مطبوعہ ہیں، مولانا تقی الدین صاحب ندوی نے بذل المجہود کے مقدمہ میں ان کا تعارف قدرے تفصیل سے کرایا ہے۔

ان تمام تصنیفات میں جس کتاب نے امام صاحب کو شہرت و مقبولیت کی بلندیوں پر پہنچایا اور ائمہ محدثین میں ممتاز مقام عطا کیا وہ ان کی کتاب سنن ہے، جو ”سنن ابی داؤد“ کے نام سے ہر خاص و عام کی زبان پر ہے، اور صحاح ستہ میں صحیحین کے بعد اکثر علماء نے اس کو پہلے مقام پر رکھا ہے۔

سنن ابی داؤد

امام صاحب نے اس کتاب کا انتخاب پانچ لاکھ احادیث کو سامنے رکھ کر کیا ہے، وہ خود بیان فرماتے ہیں: ”کُتِبَتْ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ خَمْسٌ مِائَةَ أَلْفٍ حَدِيثٍ اِتَّخِذْتُ مِنْهَا مَا ضَمَّتْهُ هَذَا الْكِتَابُ“ (۱) (میں نے رسول اللہ ﷺ کی پانچ لاکھ حدیثیں لکھی ہیں جن سے ان روایات کا انتخاب کیا ہے جو اس کتاب میں درج کی ہیں) اس کتاب کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ یہ احادیث احکام کے ساتھ خاص ہے، فقہی روایات کا جتنا بڑا ذخیرہ اس میں موجود ہے وہ صحاح ستہ میں کسی دوسری کتاب میں نہیں ہے۔ ابو جعفر بن زبیر لکھتے ہیں: ”وَلَأَبَى دَاوُدَ فِى حَصْرِ أَحَادِيثِ الْأَحْكَامِ وَاسْتِعَابِهَا مَا لَيْسَ لْغَيْرِهِ“ (۲) (اور احادیث فقہیہ کے حصر و استیعاب کے سلسلہ میں ابو داؤد کو جو بات حاصل ہے وہ دوسرے مصنفین صحاح ستہ کو حاصل نہیں) اور واقعہ یہی ہے کہ سنن ابی داؤد سے پہلے ہمیں کوئی کتاب ایسی نہیں ملتی جس میں حدیث احکام کا اتنا بڑا ذخیرہ ہو اور وہ صرف اسی موضوع کے ساتھ حاصل ہو، جس کی لوگوں کو سب سے زیادہ ضرورت پڑتی ہے۔

اپنی اس کتاب کا امام صاحب موصوف نے خود تعارف کرایا ہے جو دراصل اہل مکہ

(۱) ابن ماجہ اور علم حدیث: ۲۲۰، بحوالہ مقدمہ نخعیس سنن ابوداؤد، از حافظ منذری

(۲) تدریب الراوی، ص: ۵۶

کے ایک خط کا جواب ہے جس میں انہوں نے کصاب السنن کی احادیث کے بارے میں امام صاحب سے استصواب رائے کیا تھا، ظاہر ہے کہ اس سلسلہ میں امام صاحب موصوف کے بیان کی جو اہمیت ہے وہ کسی اور چیز کی نہیں ہو سکتی، ذیل میں اس رسالہ کے اقتباسات جتہ جتہ پیش کئے جاتے ہیں:

”آپ لوگوں نے مجھ سے دریافت کیا ہے کہ آپ کو میں یہ بتاؤں کہ کصاب السنن میں جو حدیثیں ہیں کیا وہ میرے علم کے مطابق صحیح ترین حدیثیں ہیں؟ تو آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ یہ سب ایسی ہی ہیں، سوائے یہ کہ وہ حدیث دو صحیح طریقوں سے مروی ہو اور ان میں ایک کا راوی اسناد میں مقدم ہو (یعنی اس کی سند عالی اور واسطے کم ہوں) اور دوسرے کا حفظ بڑھا ہوا ہو، ایسی صورت میں کبھی اول الذکر طریقہ ہی کو لکھ دیتا ہوں۔“

”اس میں کسی متروک الحدیث شخص سے کوئی روایت نہیں ہے، اور اگر اس میں کوئی منکر روایت آگئی ہے تو میں نے اس کا منکر ہونا بیان کر دیا ہے اور یہ اس وقت ہوا ہے جب اس باب میں اس کے علاوہ اور کوئی روایت نہ ہو۔“

”اور میری کتاب میں اگر کوئی روایت ایسی تھی کہ اس میں کمزوری زیادہ تھی تو میں نے اس کو بھی بیان کر دیا ہے اور جس روایت کے بارے میں میں نے کچھ نہیں کہا تو وہ ٹھیک ہے، اور بعض روایات بعض سے صحت میں بڑھی ہوئی ہیں، اور اگر یہ کتاب میرے علاوہ کسی اور کی لکھی ہوئی ہوتی تو میں اس کے بارے میں اور زیادہ کہتا، اور یہ ایسی کتاب ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی جو سنت بھی ٹھیک سند سے تمہیں ملے گی وہ اس میں موجود ہوگی۔“

”میرے علم میں قرآن کے بعد جتنا اس کتاب کا سیکھنا لوگوں پر لازم ہے اتنا اور کسی چیز کا نہیں، جب کوئی شخص اس کتاب کو دیکھے گا اور اس میں غور کرے گا اور اس کو سمجھے گا تب اس کو اس کی قدر ہوگی۔“

”اور جو حدیثیں میں نے کتاب السنن میں درج کی ہیں ان میں اکثر مشہور روایات ہیں جو ہر اس شخص کے پاس موجود ہیں جس نے تھوڑا بہت بھی احادیث کو لکھا ہے لیکن ان میں تمیز کرنا ہر شخص کے بس کی بات نہیں۔“

”اور میں نے کتاب السنن میں صرف احکام ہی کی روایات نقل کی ہیں، زہد اور فضائل اعمال وغیرہ کی روایات نہیں نقل کیں، بس یہ چار ہزار آٹھ سو احادیث ہیں جو سب کی سب احکام پر مشتمل ہیں۔“ (۱)

علماء کا خراج تحسین

یہ امام صاحب کے رسالہ سے چند اقتباسات ہیں جن سے کتاب کی اہمیت و افادیت ظاہر ہوتی ہے، ہر دور میں علماء نے اس کا اعتراف کیا ہے، خود امام صاحب کے شاگرد اور اس کتاب کے ایک اہم ناقل و راوی امام ابن الأعرابی فرماتے ہیں: ”لو أن رجلاً لم يكن عنده من العلم إلا المصحف الذي منه كتاب الله ثم هذا الكتاب وأشار إلى نسخة السنن—وهي بين يديه—لم يحتمع معهما إلى شئ من العلم البتة“ (۲) (اگر کوئی شخص ایسا ہو کہ اس کے پاس سوائے مصحف یعنی کتاب اللہ کے اور سوائے اس کتاب یعنی سنن کے اور کچھ علم نہ ہو تو بھی اس کو ان دونوں کے بعد اور کسی علم کی ہرگز ضرورت نہ پڑے گی)

سنن کی اسی افادیت کے پیش نظر امام غزالی فرماتے ہیں کہ ”علم حدیث میں صرف ایک کتاب مجتہد کے لئے کافی ہے۔“ (۳)

(۱) مکأ خوزاز: ابن ماجہ اور علم حدیث: ۲۲۱-۲۲۳، بیچیس کے ساتھ

(۲) معالم السنن: ۱-۱۷ (۳) البداية والنهاية: ۱۱-۸

محدث زکریا ساجی کے الفاظ میں ”کتاب اللہ عزوجل أصل الاسلام، و کتاب السنن لأبی داؤد عهد الاسلام“ (اصل اسلام کتاب اللہ ہے اور فرمان اسلام سنن ابی داؤد) (۱)

علامہ ابن حزم کا بیان ہے کہ ایک بار حافظ سعید بن اسکن ”صاحب الصحیح“ کی خدمت میں محدثین کی ایک جماعت حاضر ہوئی اور انہوں نے کہا: ہمارے سامنے حدیث کی بہت سی کتابیں آگئی ہیں اگر شیخ اس سلسلہ میں کچھ ایسی کتابوں کی طرف ہم لوگوں کی رہنمائی کریں کہ جن پر ہم اکتفاء کر سکیں تو بہتر ہے، حافظ ابن اسکن نے یہ سن کر کچھ جواب نہ دیا بلکہ سیدھے اندر گھر میں تشریف لے گئے اور کتابوں کے چار بستہ لاکر تلے اوپر رکھ دیئے پھر فرمانے لگے: ”هذه قواعد الاسلام، کتاب مسلم و کتاب البخاری و کتاب ابی داؤد و کتاب النسائی“ (۲) (یہ اسلام کی بنیادیں ہیں، مسلم کی کتاب، بخاری کی کتاب، ابوداؤد کی کتاب اور نسائی کی کتاب)

امام ابوداؤد نے اس کتاب کی تکمیل بہت پہلے اپنے عہد شباب ہی میں کر لی تھی، یہ وہ زمانہ تھا جب ان کے محبوب استاذ و شیخ حضرت امام احمد بن حنبل زندہ تھے، امام صاحب نے جب یہ کتاب امام احمد کی خدمت میں پیش کی تو انہوں نے اس کی تحسین فرمائی۔

یہ کتاب تصنیف ہوتے ہی اللہ تعالیٰ نے اس کو مقبولیت عطا فرمائی، امام صاحب کے ایک شاگرد حافظ محمد بن مخلد دوری فرماتے ہیں: ”لما صنف السنن و قرأه علی الناس صار کتابه لأهل الحدیث كالصحف يتبعونه و أقرله أهل زمانه بالحفظ“ (۳) (جب انہوں نے کتاب السنن تصنیف کی اور اس کو لوگوں کے سامنے پڑھا تو محدثین کے لیے ان کی کتاب مصحف کی طرح قابل اتباع بن گئی، اور ان کے معاصرین ان کی قوت حفظ کے قائل ہو گئے)

(۱) تذکرۃ الحفاظ: ۱۶۹/۲

(۳) تہذیب التہذیب: ۱۵۱/۴

(۲) ماخوذ: ابن ماجہ اور علم حدیث: ۲۲۳

سنن ابوداؤد کے سب سے پہلے شارح امام خطابی شرح کے مقدمہ میں فرماتے ہیں:

”ان کتاب السنن لابی داؤد کتاب شریف لم یصنف فی علم الدین کتاب قبلہ، وقد رزق القبول من الناس كافة فصار حکماً بین فرق العلماء وطبقات الفقهاء علی اختلاف مذاہبہم فلکل فیہ ورجومنه شرب“ (۱) (امام ابوداؤد کی کتاب السنن ایسی عمدہ کتاب ہے کہ علم دین میں ایسی کوئی تصنیف نہیں ہوئی اور اس کو تمام لوگوں میں مقبولیت حاصل ہوئی، چنانچہ یہ کتاب علماء کے تمام فرقوں اور فقہاء کے سب طبقوں میں اختلاف مذاہب کے باوجود حکم مانی جاتی ہے، سب اسی کے کلمات پر آتے ہیں اور اسی سے سیراب ہوتے ہیں)

امام نووی فرماتے ہیں: ”وینبغی للمشتغل بالفقہ وغیرہ الاعتبار بسنن ابی داؤد، بمعرفته التامة، فان معظم احادیث الاحکام التي یجتمع بها فیہ مع سهولة تناوله وتلخیص احادیثه وبراعة مصنفه واعتناءه بتهدیه“ (۲) (فقہ اور دوسرے علوم میں مشغول ہونے والوں کے لیے مناسب ہے کہ وہ سنن ابی داؤد سے بھرپور فائدہ اٹھائیں، اس لیے کہ احکام کی اکثر حدیثیں جن سے استدلال کیا جاتا ہے اس میں موجود ہیں، اس سے استفادہ آسان بھی ہے اور اس کی حدیثیں خلاصہ کے طور پر موجود ہیں، اور مصنف کی مہارت بھی ظاہر ہوتی ہے اور مصنف نے بہتر طریقے پر ان کی تنقیح بھی کی ہے)

امام ابن قیم اس پر تبصرہ کرتے ہوئے تحریر کرتے ہیں:

”ولما كان کتاب السنن لابی داؤد سلیمان بن الأشعث من

(۱) معالم السنن: ۱-۶

(۲) الحطة فی ذکر الصحاح الستة، ص: ۲۰۵، ط. دار الکتب العلمیة

الاسلام فالמושع الذی خصه به بحیث صار حکما بین اهل
الاسلام وفصلاً فی موارد النزاع والخصام فالیه یتحاکم
المنصفون و بحکمه یرضی المحققون فانه جمع شمل
أحادیث الأحکام ورتبها أحسن ترتیب ونظمها أحسن نظام
مع انتقاء ها أحسن الانتقاء وإطراحه فیها أحادیث المجروحین
والضعفاء“ (۱)

(اور جب کہ سنن ابی داؤد کو اسلام میں ایک خاص مقام حاصل ہے اس
طور پر کہ اس کی حیثیت مسلمانوں میں ایک قاضی کی اور نزاعات
واختلافات کے موقعوں پر دو ٹوک فیصلہ کرنے والی کی ہے، اہل انصاف
اسی سے فیصلہ کرتے ہیں اور اس کے فیصلہ پر اہل تحقیق مطمئن ہوتے
ہیں، امام صاحب نے احکام کی منتشر روایات کو اس میں جمع کر دیا ہے،
اور اس کو بہتر سے بہتر طریقے پر مرتب فرمایا ہے اور بہتر تنقیح کے ساتھ
اس کی ترتیب فرمائی ہے اور اس سے مجروح اور ضعیف روایوں کی
احادیث بالکل الگ الگ کر دی ہیں)
مؤرخ زماں ابن خلیکان لکھتے ہیں:

”أحد حفاظ الحديث وعلمه وعلله وكان في الدرجة العالية
من النسك والصلاح“ (۲) (حدیث، علوم حدیث اور علل کے حافظ
تھے اور عبادت وصلاح میں بلند مرتبہ پر فائز تھے)

شروحات اور متعلقات

یہ چیز بھی سنن ابی داؤد کی حیثیت کو بہت بلند کرتی ہے اور صحاح میں اس کو ممتاز مقام

(۱) تہذیب مختصر سنن ابی داؤد لابن القیم، ۱-۸، مأخوذ مقلمة بذل المحمود از
حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی (۲) وفیات الأعیان: ۲-۳۰۴

عطا کرتی ہے کہ صحیح بخاری کے بعد سب سے زیادہ کام سنن ابی داؤد پر ہوا، شروحات، تلخیصات، تعلیقات، مترجمات کی مجموعی تعداد چالیس سے اوپر ہے، خاص طور پر علماء متقدمین کے یہاں اس کی بہت اہمیت رہی ہے، اور ان کے یہاں کتاب پر زیادہ کام ملتا ہے۔

اس کی سب سے پہلی شرح ”معالم السنن“ ہے، جو امام ابوسلیمان حمد بن ابراہیم خطابی (۲۸۵ھ) نے تالیف کی، شروحات حدیث میں یہ کتاب قدیم ترین کتابوں میں ہے، بعد کے مشہور شارحین حدیث نے اس سے جا بجا استفادہ کیا ہے، یہ مختصر لیکن نہایت جامع شرح ہے، ہر ہر حدیث کی شرح اگرچہ اس میں نہیں ہے لیکن موضوع سے متعلق مکمل کلام امام خطابی کے یہاں ملتا ہے۔ اس کے ساتھ مفردات کی تشریح، فقہ، حدیث، علماء کی آراء بھی اس میں ترجیح اور حدیث کے فوائد اس میں موجود ہیں، اس شرح کو ام الشروح کا نام دیا جاسکتا ہے۔

اس کے بعد سیوں شروحات اور تعلیقات تصنیف ہوئیں جن میں متاخرین کی دو شروحات کو بڑی مقبولیت ملی، ایک ”عون المعبود“ کو جو درحقیقت عامۃ المفقود کا خلاصہ ہے، غایۃ المقصود علامہ شمس الحق ڈیانوی عظیم آبادی کی تصنیف کردہ ہے اور اس کا خلاصہ مصنف کی نگرانی میں مولانا محمد اشرف عظیم آبادی نے کیا ہے، دوسری مقبول شرح بذل المحمود ہے، جو حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارن پوریؒ کی تصنیف کردہ ہے، ان کے شاگرد ارشد حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلویؒ کا اس میں خاص تعاون شامل رہا ہے، ابھی قریب ہی میں یہ کتاب مولانا تقی الدین صاحب ندوی کی تحقیق و اہتمام کے ساتھ بہت خوبصورت شائع ہوئی ہے۔

متاخرین کی شروحات میں علامہ محمود محمد خطاب سبکی کی شرح ”المنہل العذب المورود“ بھی بہت مفید شرح ہے، لیکن اس کی وہ تین ہی جلدیں لکھ سکے تھے کہ وفات ہو گئی، ان کے صاحبزادہ شیخ امین محمود نے تکمیل شروع کی لیکن اس کو پورا نہ کر سکے اور راہی ملک بقاء ہوئے۔

امام نسائی

صحاح ستہ کے مصنفین میں امام نسائی کو بلند مقام حاصل ہے، اکثر محققین نے صحیحین کے بعد سنن نسائی کو صحیح ترین کتاب قرار دیا ہے اور محققین کی ایک جماعت نے ان کی شرائط کو سخت ترین شرائط میں شمار کیا ہے۔

ولادت اور نام و نسب

”خراسان“ اور ”ماوراء النہر“ کا علاقہ عالم اسلام کے لیے دماغ کی حیثیت رکھتا ہے، وہاں کی خاک سے ایسے ایسے علماء اور ماہرین فن پیدا ہوئے جس کی مثال پیش کرنے سے دنیا قاصر ہے، اسی خراسان کے ایک شہر ”نسا“ میں امام نسائی پیدا ہوئے، آج دنیا امام صاحب کی اس نسبت کی وجہ سے ”نسا“ کو جانتی ہے۔ ۲۱۵ھ میں امام صاحب کی ولادت ہوئی نام ”احمد“ رکھا گیا، والد کا نام ”شعیب“ اور دادا کا نام ”علی بن سان“ ہے، ”ابوعبدالرحمن“ کی کنیت سے مشہور ہوئے، لیکن دنیا ”امام نسائی“ کے نام سے جانتی ہے، صحاح ستہ کے مصنفین میں تین کو اپنے وطن کی نسبت کے ساتھ شہرت ہوئی، امام بخاری، امام ترمذی اور امام نسائی۔

تعلیم

امام صاحب کی ابتدائی تعلیم کی تفصیلات پردہ خفا میں ہیں، اندازہ یہی ہے کہ

ابتدائی تعلیم اپنے وطن ہی میں حاصل کی ہوگی، اس کے بعد سب سے پہلا سفر پندرہ سال کی عمر میں ”بلخ“ کا کیا اور اس کے مضافات میں واقع ایک قصبہ ”بغلان“ تشریف لے گئے، اس وقت وہاں حضرت قتیبہ بن سعید کی ذات مرجع خلافت تھی، امام صاحب نے ایک سال دو مہینے ان کی خدمت میں گزارے (۱) اور حدیث کا علم حاصل کیا۔

علمی اسفار

اس دور میں سفر کے بغیر حصول علم کا تصور نہیں تھا، اس زمانہ کی پوری تاریخ علمی اسفار سے بھری پڑی ہے، امام نسائی نے حضرت قتیبہ بن سعید سے استفادہ کے بعد مختلف ملکوں کے سفر شروع کیے اور بڑے علماء و محدثین سے حدیثیں سنیں اور اس علم میں مہارت پیدا کی، ان کے مشہور مشائخ میں امام اسحاق بن راہویہ، محمد بن نصر، یونس بن عبدالاعلیٰ، محمد بن بشار، امام ابو داؤد، امام ابو زرعدرازی اور امام ابو حاتم رازی شامل ہیں، حافظ ابن حجر نے امام بخاری کو بھی ان کے مشائخ میں شمار فرمایا ہے۔

مصر میں قیام

امام صاحب نے حجاز، شام، عراق، جزیرہ اور مصر و خراسان کے مختلف شہروں کے سفر کیے اور ماہرین فن سے استفادہ کیا، علامہ بن کثیر فرماتے ہیں: ”رجل السی الآفاق واشتغل بسماع الحدیث والاجتماع بالائمة الحذاق“ (۲) (دور دور کے سفر کیے اور حدیثیں سننے اور ماہر ائمہ سے ملاقاتیں کرنے میں مشغول رہے) لیکن آخر میں قیام کے لیے انہوں نے مصر کا انتخاب کیا، اور اس کو اپنے علوم کی نشر و اشاعت کا مرکز بنایا۔

امام ذہبی تحریر فرماتے ہیں: ”جال فی طلب العلم فی خراسان والحجاز ومصر والعراق والجزيرة والشام ثم استوطن مصر ورحل الحفاظ اليه ولم

(۱) سیر أعلام النبلاء: ۱۴-۱۲۸ (۲) البداية والنهاية: ۱۱۱/۱۶۳

ابو عبدالرحمن النسائی اماماً حافظاً ثبتاً“ (۱) (امام نسائی امام، حافظ حدیث اور اعلیٰ درجہ کے ثقہ ہیں)

امام ذہبی ابوسعید کی بات نقل کر کے خود فرماتے ہیں: ”قلت هذا الأصح فإن ابن يونس حافظ يقظ وقد أخذ عن النسائی وهو به عارف ولم يكن أحد في رأس الثلاث مائة أحفظ من النسائی وهو أحق بالحديث وعلله ورجاله من مسلم ومن أبي داؤد ومن أبي عيسى وهو جار في مضمار البخاری وأبي زرعة“ (۲) (میں کہتا ہوں یہ بات بالکل درست ہے اس لیے کہ ابن یونس خود بڑے بیدار مغز حافظ حدیث ہیں، نسائی کے شاگرد ہیں اور ان سے خوب واقف ہیں، اور تیسری صدی کے آغاز میں نسائی سے بڑھ کر کوئی دوسرا حافظ حدیث نہیں، بلکہ وہ فن حدیث کی مہارت اس کے علل ورجال سے واقفیت میں مسلم ابوداؤد اور ترمذی سے بھی بڑھے ہوئے ہیں اور بخاری اور ابوزرعہ کے ہم پلہ نظر آتے ہیں)

اپنی معرکہ الآراء کتاب سیر اعلام النبلاء میں امام نسائی کے تذکرہ کا آغاز ان بلند الفاظ میں کیا ہے: ”الامام الحافظ الثبت شيخ الاسلام ناقد الحديث أبو عبدالرحمن أحمد بن شعيب بن علي بن سنان بن بحر الخراساني النسائي صاحب السنن“ (۳) (امام، حافظ حدیث، ثقہ ترین، شیخ الاسلام حدیث کے خوب پرکھنے والے، ابو عبدالرحمن احمد بن شعیب بن علی بن سنان بن بحر خراسانی نسائی)

مزید فرماتے ہیں: ”وكان من بحور العلم مع الفهم والانتقان والبصر ونقد الرجال وحسن التأليف“ (۴) (فہم و انتقان، گہری نظر، رواۃ کو پرکھنے اور حسن تالیف کے ساتھ ساتھ وہ علم کے سمندر تھے)

حاکم نیشاپوری حدیث میں ان کے تفقہ کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

(۱) سیر اعلام النبلاء: ۱۴-۱۳۳ (۲) سیر اعلام النبلاء: ۱۴-۱۳۳

(۳) سیر اعلام النبلاء: ۱۴-۱۲۵ (۴) سیر اعلام النبلاء: ۱۴-۱۲۷

”کلام النسائی علی فقہ الحدیث کثیر ومن نظر فی سننه تحیر فی کلامه“ (۱) (فقہ حدیث میں امام نسائی کا کلام بہت ملتا ہے اور جوان کی سنن کو دیکھتا ہے وہ حیرت میں پڑ جاتا ہے)

مزید فرماتے ہیں: ”النسائی أفضہ مشایخ عصره وأعرفهم بالصحیح والسقیم من الآثار وأعرفهم بالرجال“ (۲) (امام نسائی مشایخ عصر میں سب سے بڑھ کر فقیہ، حدیثوں میں صحیح و ضعیف کے سب سے بڑے عالم اور رجال کے سب سے بڑے ماہر تھے)

حافظ ابن حجر مقدم فتح الباری میں لکھتے ہیں: ”قدمه قوم من الحذاق فی معرفة ذلك علی مسلم بن الحجاج وقدمه الدارقطني وغيره فی ذلك علی امام الأئمة ابی بکر بن خزيمة صاحب الصحیح“ (۳) (فن رجال میں ماہرین فن کی ایک جماعت نے ان کو امام مسلم پر بھی فوقیت دی ہے، اور امام دارقطنی اور ان کے علاوہ اوروں نے اس سلسلہ میں ان کو امام الأئمة ابو بکر بن خزيمة سے فائق بتایا ہے جو خود صحیح کے مصنف ہیں)

امام سیوطی فرماتے ہیں: ”الحافظ الامام شیخ الاسلام أحد الأئمة المبرزين والحفاظ المتقين والأعلام المشهورين“ (۴) (حافظ حدیث، امام، شیخ الاسلام ممتاز ترین ائمہ، ماہر ترین حفاظ حدیث، اور مشہور اساطین امت میں ایک تھے)

علمی احتیاط

احتیاط امام صاحب کے مزاج میں داخل تھی اس کی ایک مثال یہ ہے کہ وہ ایک مرتبہ حارث بن مسکین کی خدمت میں حاضر ہوئے، حضرت حارث ان کے لباس کو دیکھ کر ان کو سرکاری آدمی سمجھے، اس وقت ان کے کچھ مسائل ایسے چل رہے تھے جن میں وہ

(۱) سیر أعلام النبلاء: ۱۴-۱۳۰ (۲) شئرات الذهب: ۲-۴۲۲

(۳) ہدی الساری مقدمہ فتح الباری، ص: ۸ (۴) شئرات الذهب: ۲-۴۲۲

ضروری سمجھتے تھے کہ بادشاہ تک وہ باتیں نہ پہنچیں، وہ ڈرے کہ ہمیں یہ بادشاہ کے جاسوس بنا کر نہ بھیجے گئے ہوں، اس لیے انہوں نے امام نسائی کو اپنے پاس آنے سے روک دیا، امام نسائی علم کے شائق تھے انہوں نے یہ کیا کہ وہ دروازہ کے باہر ہی بیٹھ جاتے اور روایتیں سنتے لیکن بعد میں جب انہوں نے حارث بن مسکین کی روایتیں نقل کیں تو اس درجہ احتیاط کی کہ حدیثا یا أخبرنکے الفاظ استعمال نہیں کیے بلکہ وہ ہمیشہ یہ کہتے "قال الحارث بن مسکین قرارة علیه وأنا أسمع" (۱) (حارث بن مسکین نے یہ حدیث بیان کی اس طور پر کہ ان کے سامنے روایت پڑھی جا رہی تھی اور میں سن رہا تھا)

زہد و تقویٰ

اسی بلند علمی مقام کے ساتھ وہ تقویٰ اور زہد و عبادت میں بھی اپنے زمانہ میں ممتاز تھے، امام ابن اثیر رحمہ اللہ جامع الأصول کے آغاز میں تحریر فرماتے ہیں:

"کان ورعاً متحرماً" (۲) (وہ بڑے متقی اور محتاط تھے)

حافظ محمد بن المنظر کہتے ہیں: "سمعت مشائخنا بمصر يصفون اجتهاد النسائي في العبادة بالليل والنهار وانه خرج إلى الفداء مع أمير مصر فوصف من شهامة واقامة السنن المأثورة في فداء المسلمين واحترازه عن مجالس السلطان الذي خرج معه" (۳) (میں نے مصر میں اپنے اساتذہ سے سنا وہ امام نسائی کی رات و دن عبادت میں سخت محنت کا تذکرہ کیا کرتے تھے، وہ امیر مصر کے ساتھ جہاد کے لیے تشریف لے گئے تو لوگ ان کی شجاعت و بہادری، سنتوں کے احیاء کے لیے کوششوں اور بادشاہ کی مجلسوں سے احتیاط کے معترف ہو گئے)

مؤرخ زماں ابن خلکان لکھتے ہیں: "کان يصوم يوماً ويفطر يوماً" (۴) (وہ ایک دن روزہ رکھتے اور ایک دن افطار کرتے)

(۱) سیر اعلام النبلاء: ۱۴-۱۳۰ (۲) جامع الأصول: ۱-۱۱۶، طبع لبنان

(۳) سیر اعلام النبلاء: ۱۴-۱۳۱-۱۳۲ (۴) وفيات الأعيان: ۱-۷۸

آزمائش اور وفات

مصر میں امام صاحب کو بڑی شہرت و مقبولیت حاصل ہوئی اس کے نتیجہ میں وہاں ان کے حاسدین کی ایک جماعت پیدا ہو گئی، لگتا یہ ہے کہ امام صاحب اس سے دل برداشتہ ہو کر شام تشریف لے آئے، لیکن اکثر مؤرخین کی رائے یہ ہے کہ وہ حج کی نیت سے مصر سے نکلے شام پہنچے تو یہاں ان کو بڑی آزمائش کا سامنا کرنا پڑا ان کو معلوم ہوا کہ یہاں لوگ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بغض رکھتے ہیں، خود ان کو حضرات اہل بیت سے بڑی محبت تھی انہوں نے جامع دمشق کے ممبر پر چڑھ کر حضرت علی کے فضائل میں احادیث سنائی شروع کیں، لوگوں نے سوال کیا کہ حضرت معاویہ کے فضائل میں بھی آپ نے کوئی کتاب لکھی ہے فرمایا کہ سوائے ”لا أشبع اللہ بطنہ“ کے اور کوئی روایت مجھ کو نہیں پہنچی، بس لوگوں نے ان کو مارنا شروع کیا، یہاں تک کہ مارتے مارتے نیم جاں کر دیا، امام صاحب نے اپنے تعلق والوں سے کہا کہ مجھے مکہ مکرمہ لے چلو تا کہ میرا انتقال مکہ مکرمہ میں ہو، لوگ اسی حال میں ان کو مکہ مکرمہ لے گئے اور وہیں دو شنبہ کے دن ۱۳ صفر ۳۰ھ کو ان کی وفات ہوئی اور صفا و مروہ کے درمیان تدفین عمل میں آئی، انتقال کے وقت عمر اٹھاسی سال کی تھی۔

مذکورہ بالا واقعہ کی بنا پر بعض حضرات نے ان پر تشیع کا الزام لگایا ہے، لیکن یہ بات اس لیے غلط ہے کہ انہوں نے مستقل فضائل صحابہ پر بھی کتاب لکھی، اور ان کی کتابوں سے بھی اندازہ ہوتا ہے کہ وہ باقاعدہ تفضیل شیخین کے قائل تھے، البتہ حضرات اہل بیت کی محبت میں وہ سرشار تھے یہی وجہ ہے جب شام تشریف لے گئے اور وہاں انہوں نے حضرت علی اور اہل بیت کی تنقیص دیکھی تو برداشت نہ سکے اور کھل کر فضائل علی بیان کرنے شروع کیے۔

امام نسائی کے ایک شاگرد محمد بن موسیٰ مامونی کہتے ہیں کہ لوگ ان پر تنقید کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت علی کے فضائل پر کتاب لکھی اور حضرات شیخین کے فضائل پر

نہیں لکھی، وہ کہتے ہیں کہ میں نے امام نسائی سے یہ بات ذکر کی تو انہوں نے فرمایا کہ میں دمشق آیا تو میں نے لوگوں کو دیکھا کہ وہ حضرت علی کے بارے میں بدگمان ہیں، اس لیے میں نے ”کتاب الخصائص“ لکھی کہ شاید اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ سے لوگوں کو ہدایت عطا فرمائے۔ (۱)

حلیہ اور ازواج و اولاد

امام صاحب بڑے بارع بزرگ تھے اس کے ساتھ ساتھ بڑی کشش رکھتے تھے، دل ان کی طرف کھنچتا تھا، بڑھاپے میں بھی لگتا تھا کہ خون چھلک پڑے گا، کھانے کا بھی خاص اہتمام فرماتے تھے۔

امام صاحب نے چار شادیاں کیں، بیویوں میں مسادات کا خاص اہتمام فرماتے، البتہ اولاد میں صرف ایک صاحبزادہ عبدالکریم کا تذکرہ ملتا ہے، جنہوں نے خود امام صاحب سے کسب فیض کیا اور دوسرے محدثین سے بھی حدیثیں سنیں، بڑے علماء میں ان کا شمار ہوتا ہے ان کے علاوہ اور کسی فرزند کا تذکرہ امام صاحب کے تذکرہ میں نہیں ملتا البتہ ابو عبدالرحمن کی کنیت سے اندازہ ہوتا ہے کہ شاید عبدالرحمن نام کے بھی کوئی فرزند رہے ہوں گے، لیکن شاید کم عمری ہی میں فوت ہو گئے اس لیے ان کے حالات سیر و تاریخ کی کتابوں میں نہیں ملتے۔

تصنیفات

امام صاحب نے حدیث کے مختلف موضوعات پر کتابیں تصنیف کیں جن میں اہم کتابیں درج ذیل ہیں: ”السنن الکبریٰ، السنن الصغریٰ، خصائص علی، مسند مالک، عمل البوم واللیلۃ، کتاب الضعفاء والمتروکین“ وغیرہ، لیکن ان میں سب سے زیادہ جس کتاب کو شہرت ملی اور جس کی وجہ سے امام صاحب کا نام زندہ جاوید ہووے ان کی کتاب ”المحتبی“ ہے جو ”السنن الکبریٰ“ کی تلخیص ہے۔

المجتبیٰ

امام صاحب نے جب ”السنن الکبریٰ“ تصنیف فرمائی تو اس کو امیر رملہ کے پاس لے گئے، امیر نے پوچھا کہ کیا اس کی سب روایتیں صحیح ہیں تو انہوں نے فرمایا: نہیں، اس پر امیر نے کہا کہ ہمارے لیے آپ صحیح روایات الگ کر دیجیے تو امام صاحب نے اس کی صحیح روایتیں الگ کر دیں اور المجتبیٰ اس کا نام رکھا، اسی کو المجتبیٰ کے نام سے بھی جانا جاتا ہے، بعض محققین کی رائے یہ ہے کہ تلخیص کا کام خود امام صاحب نے نہیں کیا، بلکہ ان کے شاگرد ابن السنی نے تلخیص کا یہ کام کیا، امام ذہبی کی رائے بھی یہی ہے، لیکن امام ابن اثیر نے اس کو امام صاحب ہی کی تلخیص قرار دیا ہے، بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ امام صاحب نے یہ کام اپنے شاگرد ابن السنی کے سپرد کیا اور انہوں نے امام صاحب کی نگرانی اور مشورے سے یہ کام مکمل کر کے امام صاحب کی خدمت میں پیش کیا اس طرح کام تو یہ امام نسائی ہی کا ہے البتہ ابن السنی کے تعاون سے تکمیل کو پہنچا۔

سنن کبریٰ اور اس کی تلخیص المجتبیٰ کے بارے میں خود امام صاحب کا بیان ملاحظہ ہو جو ان کے شاگرد ابن الاثر نے نقل کیا ہے: ”کتاب السنن ہی الکبریٰ کلہ صحیح وبعضہ معلول الا انه ینتہ والمتخجب المسی بالمجتبیٰ صحیح کلہ“ (۱) (پوری کتاب السنن کا اکثر حصہ صحیح ہے اور بعض حدیثیں معلول ہیں تو ان کی علت بیان کر دی

ہے اور اس کا انتخاب جوالمحیی کے نام سے موسوم ہے، وہ تمام ترجیح ہے)
مولانا عبدالرشید نعمانی لکھتے ہیں:

”امام نسائی نے بھی اپنی سنن میں امام بخاری و مسلم کی طرح صرف صحیح
الاستاد روایات ہی کو لیا ہے، ان کی تصنیف بخاری و مسلم
دونوں طریقوں کی جامع سمجھی جاتی ہے اور علل حدیث کا بیان اس پر
مستزاد ہے، اس کے ساتھ حسن ترتیب اور جودت تالیف میں بھی
ممتاز ہے“ (۱)

صحاح ستہ میں صحیحین کے بعد سنن نسائی کو صحت کے اعتبار سے جو فوقیت حاصل
ہے، وہ اخذ روایت میں ان کی سخت شرائط ہی کی وجہ سے ہے، بعض جگہ ان کی شرائط
بخاری و مسلم کی شرائط سے بھی زیادہ سخت ہیں۔

حافظ ابوالفضل مقدسی شروط الأئمة الستة میں لکھتے ہیں کہ میں نے امام
ابوالقاسم سعد بن علی زنجانی سے مکہ معظمہ میں ایک راوی کے بارے میں دریافت کیا:
انہوں نے اس کی توثیق کی، میں نے عرض کیا کہ امام نسائی نے اس کی تصحیف کی ہے
اس پر امام موصوف نے فرمایا: ”یابنی! إن لأبی عبد الرحمن فی الرجال شرطاً
أشد من شرط البخاری و مسلم“ (۲) (بیٹا! رجال کے بارے میں ابو عبدالرحمن
(نسائی) کی شرط بخاری و مسلم کی شرط سے بھی زیادہ سخت ہے)

علماء کا خراج تحسین

امام صاحب کی ان سخت شرائط کی وجہ سے علماء نے اس کتاب کے بارے میں بلند
کلمات فرمائے ہیں، امام ابوالحسن معافری فرماتے ہیں: ”إذا نظرت الی ماہجرہ اهل
الحدیث فما خرجہ النسائی أقرب الی الصحیحہ مما خرجہ غیرہ“ (۳) (جب تم

(۱) ابن ماجہ اور مسلم حدیث، ص: ۲۱۷ (۲) شروط الأئمة الستة، ص: ۱۸

(۳) زہر الری علی المحتیی، ص: ۳، طبع ہند

محمد شین کی روایت کردہ حدیثوں پر نظر ڈالو گے تو جس حدیث کی امام نسائی نے تخریج کی ہوگی وہ دوسروں کی روایت کردہ حدیث کی بہ نسبت صحت کے زیادہ قریب ہوگی)

اور اسی لیے مغرب کے بعض محدثین صحیح بخاری پر اس کی ترجیح کے قائل ہیں، حافظ شمس الدین سخاوی فتح المغیث میں لکھتے ہیں: "صرح بعض المغاربة بتفضیل کتاب النسائی علی صحیح البخاری" (۱) (بعض مغاربہ نے تصریح کی ہے کہ امام نسائی کی کتاب کو صحیح بخاری پر فضیلت حاصل ہے)

بلکہ محدث ابن الاحرر نے تو اپنے بعض کی شیوخ سے یہاں تک نقل کر دیا ہے کہ: "ان اشرف المصنفات کلها وما وضع فی الاسلام مثله" (۲) (یہ اس فن کی تمام تصنیفات سے بڑھ چڑھ کر ہے اور اسلام میں اس کے مثل کوئی کتاب نہیں لکھی گئی)

ملاطی قاری اس پر تبصرہ کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں: "شذ بعض المغاربة فی فضله علی کتاب البخاری ولعله لبعض الحیثیات المعالجة من کمال الصحة واللہ أعلم" (۳) (بعض مغربی علماء نے نسائی کو بخاری پر ترجیح دے کر نئی راہ نکالی ہے، تو ممکن ہے یہ بعض دوسری حیثیتوں سے ہو جن کا تعلق کمال صحت سے نہیں ہے)

امام نسائی کی بڑی خصوصیت یہ ہے کہ انہوں نے صحیحین کے طریقوں کو جمع کرنے کی کوشش کی ہے، مزید اس میں علل حدیث کا بیان بھی ملتا ہے، حسن ترتیب میں بھی اس کو امتیاز حاصل ہے، حافظ ابو عبد اللہ ابن رشید فرماتے ہیں: "انہ ابداع الکتاب المصنفة فی السنن ترصیفاً وأحسنها ترتیباً وهو جامع بین طریقی البخاری و مسلم مع حفظ کثیر فی بیان العلل" (۴) (علم سنن میں چٹنی کتابیں تصنیف ہوئی ہیں ان سب میں یہ کتاب تصنیف کے لحاظ سے الوکھی اور ترتیب کے اعتبار سے بہترین ہے اور یہ بخاری و مسلم دونوں کے طریقوں کی جامع ہے، نیز علل حدیث کے بھی ایک خاص حصہ کا بیان اس میں آ گیا ہے)

(۲) فتح المغیث: ۱-۹۹

(۱) فتح المغیث: ۱۸۱/۹۸

(۴) زہر الری، ص: ۳

(۳) مرآة المفاتیح: ۱-۲۳

سنن نسائی کی ایک بڑی خصوصیت اس کے تراجم ابواب میں ہے اس سلسلہ میں امام نسائی نے اپنے شیخ امام بخاری کا تتبع کیا ہے، ان میں امام صاحب کی فقہانیت، ذہانت، اور دقت نظر صاف معلوم ہوتی ہے، علامہ انور شاہ کشمیری فرماتے ہیں: ”بخاری کے تراجم نہایت اہم ہیں، جن کو سمجھنے کے لیے بڑی دقت نظر اور فقہانیت کی ضرورت ہے اور اس کے بعد ابو عبد الرحمن نسائی کے تراجم ابواب ہیں، مگر بہت سی جگہوں پر دونوں کتابوں کے تراجم حرفاً حرفاً موافق ہیں ایسی صورت میں تو ارد پر محمول کرنا مشکل ہے، میرا خیال یہ ہے کہ مصنف نے اس کو اپنے شیخ امام بخاری سے لیا ہے اور یہ احتمال قوی ہے جب کہ امام بخاری ان کے شیوخ میں سے ہیں“ (۱)

شروح و تعلیقات

صحاح ستہ میں بھی بلند مقام رکھنے کے باوجود سنن نسائی کی شروح و تعلیقات کم سے کم نظر آتی ہیں، اس کی بڑی وجہ دروس کے حلقوں میں اس کا عام نہ ہونا ہے، صحیحین کے علاوہ دروس کے حلقوں میں سب سے زیادہ سنن ترمذی پھر سنن ابی داؤد کے ساتھ اعتنا کیا گیا، جس کی اپنی وجوہات ہیں، یہی وجہ ہے کہ سنن نسائی کے صحت میں فائق ہونے کے باوجود بہت کم اس کی شروحات و تعلیقات ملتی ہیں۔

ان میں سب سے مشہور علامہ سیوطی کا حاشیہ ہے جو زہر الریبی کے نام سے طبع ہو چکا ہے، اس کے علاوہ علامہ عبدالبہادی سندھی کا حاشیہ اس سے زیادہ مفصل ہے یہ بھی چھپ چکا ہے، اس کے علاوہ اس کی مستقل کسی شرح کا تذکرہ نہیں ملتا، اخیر میں حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی نے بھی حضرت گنگوہی مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری اور مولانا یحییٰ صاحب کے افادات کو جمع فرمایا تھا جو مولانا عاقل صاحب مظاہری کی توجہ سے سامنے آچکا ہے۔

امام ابن ماجہؒ

نام و نسب

حدیث کی چھ مشہور ترین کتابوں میں سے آخری کتاب سنن ابن ماجہ کے مصنف اور اپنے زمانہ کے جلیل القدر محدث و امام ہیں، محمد نام ابو عبد اللہ کنیت ہے، دنیا ”ابن ماجہ“ کے نام سے جانتی ہے، بعض مؤرخین نے ”ماجہ“ والدہ کا نام بتایا ہے، اور بعضوں نے اس کو دادا کا لقب قرار دیا ہے، لیکن صحیح یہ ہے کہ یہ حضرت امام کے والد ”یزید“ کا لقب ہے، علامہ ابن کثیر نے تاریخ کی مشہور کتاب ”البدایہ والنہایہ“ میں اس کی صراحت کی ہے (۱) سب سے بڑھ کر یہ کہ خود امام ابن ماجہ کے مشہور ترین شاگرد حافظ ابوالحسن بن القطان کا بیان موجود ہے، جس میں وہ نہایت حزم کے ساتھ تصریح کرتے ہیں کہ ”ماجہ“ آپ کے والد کا لقب تھا، دادا کا نہیں۔ (۲)

ولادت

امام موصوف کے حالات عام طور پر پردہ خفا میں ہیں، ان کی تاریخ پیدائش اور تاریخ وفات کا بھی شاید علم نہ ہوتا اگر خود امام ابن ماجہ کی تصنیف تاریخ ابن ماجہ کے اخیر میں امام صاحب کے شاگرد جعفر بن اور لیس کی تحریر نہ ہوتی، اتفاق سے یہ کتاب حافظ

(۱) البدایہ والنہایہ: ۵۲/۱۱ (۲) ابن ماجہ اور علم حدیث، از مولانا محمد عبدالرشید لہستانی ص: ۲

ابوالفضل بن طاہر مقدسی کی نظر سے گذری اور انہوں نے وہ تحریر اپنی کتاب ”شروط الأئمة الستة“ میں نقل کر دی، اگر حافظ مقدسی اس تحریر کو نقل نہ کرتے تو بھی شاید ان تاریخوں کا علم نہ ہوتا، اس لیے کہ آج امام ابن ماجہ کی تاریخ ناپید ہے، اس تحریر میں یہ موجود ہے کہ میں نے خود ان کو فرماتے سنا کہ میں ۲۰۹ھ میں پیدا ہوا۔ (۱)

”ابن ماجہ اور علم حدیث“ کے مصنف نے اس تاریخ کے اعتبار سے صحاح ستہ کے بقیہ مصنفین سے امام صاحب کی معاشرت کا حساب لگایا ہے، جو حسب ذیل ہے:

”امام بخاری نے وفات پائی، تو اس وقت امام ابن ماجہ کی عمر ۴۲ سال تھی۔

امام مسلم نے وفات پائی تو اس وقت امام ابن ماجہ کی عمر ۵۲ سال تھی۔

امام ابوداؤد کی ولادت آپ سے سات سال پہلے ہوئی اور دو سال بعد ان کی وفات ہوئی۔

امام ترمذی کی وفات آپ سے چھ سال بعد ہوئی۔ امام نسائی آپ سے چھ سال چھوٹے ہیں، اور تیس سال بعد ان کی وفات ہوئی۔“ (۲)

تحصیل علم

قزوین جو امام صاحب کا مولد و مسکن تھا، جب انہوں نے شعور کی آنکھیں کھولیں تو وہاں علم کا بازار گرم تھا، بڑے بڑے علماء درس حدیث میں مشغول تھے، ان میں علی بن محمد طنافسی، ابو حجر بجلی، ابوسہیل قزوینی، ہارون موسیٰ تمیمی، ابوبکر قزوینی وہ بزرگ ہیں جن سے امام صاحب نے خود اخذ حدیث کی صراحت کی ہے، ۳۰ھ کے بعد جب کہ امام صاحب کی عمر یا تیس سال ہو چکی تھی انہوں نے حصول علم کے لیے وطن کو خیر آباد کہا، اور ان مشہور شہروں کا رخ کیا، جہاں جا بجا درس حدیث کے حلقے لگے ہوتے تھے اور اکناف عالم سے لوگ جوق در جوق حصول علم کے لیے ان شہروں کا رخ کر رہے تھے۔

مولانا عبدالرشید نعمانی اس عہد کی ان بلیغ الفاظ میں تصویر کشی فرماتے ہیں:

(۱) شروط الأئمة الستة، مقدسی (۲) ابن ماجہ اور علم حدیث، ص: ۹

”یہ وہ زمانہ ہے کہ محدثین اطراف عالم میں پھیل چکے تھے، اور جا بجا اسناد و روایت کے دفتر کھلے ہوئے تھے، تمام بلاد اسلامیہ میں سینکڑوں بلکہ ہزاروں درسگاہیں قائم تھیں، اور بڑے زور و شور سے حدیث پاک کا درس جاری تھا، اس زمانہ میں عامہ مسلمین میں علم حدیث کا شوق اور رواج اس درجہ تھا کہ ایک ایک محدث کے حلقہ درس میں دس دس ہزار طلبہ کا شریک ہو جانا معمولی بات تھی“۔ (۱)

امام صاحب نے خراسان، عراق، حجاز، مصر اور شام کے سفر کئے، ان کے مشہور شہروں میں مکہ مکرمہ، مدینہ طیبہ، کوفہ، بصرہ، حمص، دمشق، بیخ، رے، سمنان، عسقلان، مرو، نیشاپور، ہمدان اور واسط خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

ان کے مشہور شیوخ مندرجہ ذیل ہیں:

حافظ ابو مصعب زہری، امام ابو بکر بن ابی شیبہ (صاحب مصنف)، حافظ ابو کریب، حافظ ہناد، حافظ کبیر بن دار، حافظ دورق، امام ابو ثور، حافظ ابو اسحاق ہروی، امام مرادی، حافظ یونس بن عبد الاعلیٰ، امام ابو زرہ رازی، امام ابو حاتم رازی، امام ابو جعفر داری، امام ذہلی، حافظ محمود بن غیلان مروزی۔

امام موصوف نے کتاب السنن اور کتاب التفسیر میں جن مشائخ سے روایات لی ہیں ان کی تعداد تین سو سے زیادہ ہے۔

وفات

تاریخ ولادت کے سلسلہ میں امام صاحب کے شاگرد جعفر بن ادریس کی عبارت کا تذکرہ ہو چکا ہے، جو حافظ طاہر مقدسی نے شروط الأئمة السنۃ میں نقل کر دی ہے، حافظ صاحب موصوف لکھتے ہیں:

”میں نے قزوین میں امام ابن ماجہ کی تاریخ کا نسخہ دیکھا تھا، یہ

(۱) ابن ماجہ اور علم حدیث، ص: ۲۰

عہد صحابہ سے لے کر ان کے زمانہ تک کے رجال اور امصار کے حالات پر مشتمل ہے، اس تاریخ کے آخر میں امام محدوح کے شاگرد جعفر بن ادریس کے قلم سے حسب ذیل تحریر ثبت تھی۔

ابو عبد اللہ محمد بن یزید ابن ماجہ نے دو شنبہ کے دن انتقال کیا، اور سرہ شنبہ ۲۲ رمضان المبارک ۲۷۳ھ مطابق ۸۸۶ء کو دفن کئے گئے، اور میں نے خود ان سے سنا فرماتے تھے کہ میں ۲۰۹ھ میں پیدا ہوا، وفات کے وقت آپ کی عمر ۶۴ سال کی تھی، آپ کے بھائی ابو بکر نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی، اور آپ کے بھائیوں ابو بکر اور ابو عبد اللہ اور صاحبزادہ عبد اللہ نے آپ کو قبر میں اتارا، اور دفن کیا۔ (۱)

ائمہ کا خراج تحسین

امام صاحب کے علمی مقام اور جلالت شان کا ہر زمانہ میں علماء نے اعتراف کیا ہے، اور بلند الفاظ میں امام صاحب کا تذکرہ کیا ہے، امام ابن جمزی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

”سمع أكثر وصف السنین والتاریخ والتفسیر وکان عارفاً بهذا الشأن“ (۲)

(بکثرت روایات سنیں، سنین، تاریخ، تفسیر کی تصنیف فرمائی اور وہ اس کے مہر شناس تھے)

فن رجال کے امام علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں: ”الحافظ الکبیر المفسر... محدث تلك الديار“ (۳) (بڑے حافظ حدیث، مفسر اور ان دیار کے محدث)

علامہ رافعی تاریخ قزوین میں رقم طراز ہیں:

”هو امام من أئمة المسلمين كبير متقن، مقبول بالاتفاق“ (۴) (وہ ائمہ مسلمین میں بڑے ماہر فن ہیں، تمام لوگوں میں ان کو مقبولیت حاصل ہے)

(۱) ابن ماجہ اور علم حدیث، ص: ۱۲۳، بحوالہ شروط الأئمة الستة (۲) ابن ماجہ اور علم حدیث:

۱۲۳، بحوالہ المتظم فی تاریخ الملوك والأمم (۳) تذکرۃ الحفاظ: ۱۰۵/۲

(۴) التلویں فی أخبار قزوین فی ترجمۃ ابن ماجہ، ص: ۴۹

مؤرخ کبیر امام ابن خلکان ”وفیات الأعیان“ میں لکھتے ہیں: ”الحافظ المشهور مصنف کتاب السنن فی الحدیث کان اماما فی الحدیث عارفا بعلومه وجميع ما يتعلق به“ (۱) (مشہور حافظ حدیث کتاب السنن کے مصنف، حدیث کے امام تھے، اس کے علوم کے رمزشناس اور اس سے متعلق فنون کے ماہر تھے) حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے امام اور حافظ حدیث کے الفاظ سے یاد کیا ہے، ان کے علاوہ مؤرخین اور فن رجال کے ماہروں نے بلند الفاظ میں ان کا تذکرہ کیا ہے۔

تصانیف

امام صاحب کی تین تصنیفات کا تذکرہ کتابوں میں ملتا ہے، پہلی کتاب ”التفسیر“ ہے، مولانا نعمانی اس کے متعلق لکھتے ہیں: ”یہ ایک ضخیم تالیف ہے، اس میں امام ابن ماجہ نے قرآن پاک کی تفسیر کے سلسلہ میں جس قدر احادیث اور صحابہ و تابعین کے اقوال مل سکے ہیں ان کو بالاسناد روایت کیا ہے۔“ (۲) دوسری کتاب ”التاریخ“ ہے، یہ صحابہ سے لے کر مصنف کے عہد تک کی تاریخ ہے جس میں بلاد اسلامیہ اور راویان حدیث کی تاریخ ہے، انوس کی بات ہے کہ یہ دونوں کتابیں آج ناپید ہیں، ہزاروں لاکھوں کتابوں کی طرح یہ کتابیں بھی غیروں کے دستبرد سے نذبح ہو سکیں۔

امام صاحب کی تیسری تصنیف ”السنن“ وہ کتاب ہے جس سے امام صاحب کو دنیا میں شہرت و مقبولیت حاصل ہوئی، صحاح ستہ میں یہ چھٹی کتاب ہے، جو دنیا کے خطہ خطہ میں پڑھی اور پڑھائی جا رہی ہے، یہی وہ کتاب ہے کہ جب اس کو امام ابو زرہ رازی کی خدمت میں پیش کیا گیا تھا تو انہوں نے فرمایا تھا ”اظن ان وقع هذا فی ایدی الناس تعطلت هذه الجوامع أو أكثرها“ (۳) (میرا خیال ہے کہ اگر یہ کتاب لوگوں تک پہنچ گئی تو حدیث کے یہ مجموعے یا ان میں اکثر معطل ہو کر رہ جائیں گے۔

(۲) ابن ماجہ اور علم حدیث، ص: ۱۲۵

(۱) وفیات الأعیان: ۲۴۹/۴

(۳) تذکرۃ الحفاظ: ۱۰۰/۲

سنن ابن ماجہ

اس کتاب کی دو بنیادی خصوصیتیں ہیں، جن کی بناء پر اس کو صحاح ستہ میں شامل کیا گیا ہے، ورنہ دسیوں کتابیں ایسی موجود تھیں جو صحت حدیث کے اعتبار سے اس کتاب سے بدرجہا فائق تھیں، ان میں پہلی خصوصیت اس کا حسن ترتیب ہے، جس خوبی کے ساتھ احادیث کو بغیر تکرار کے اس کتاب میں بیان کیا گیا ہے اور ابواب کی جو ترتیب قائم کی گئی ہے وہ دوسری کتاب میں ملنی مشکل ہے، اسی خوبی کو دیکھ کر مصنف کے استاذ امام ابو زرہ رازی نے فرمایا تھا کہ ”اگر یہ کتاب لوگوں کے ہاتھوں میں پہنچ گئی تو فن حدیث کی اکثر جوامع اور مصنفات بیکار و معطل ہو کر رہ جائیں گی۔“

حافظ ابن کثیر تحریر فرماتے ہیں: ”وہو کتاب مفید قوی التبیویہ فی الفقہ“ (۱) (یہ مفید کتاب ہے اور فقہ کے اعتبار سے اس کی تبویب نہایت عمدہ ہے) حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ تہذیب التہذیب میں لکھتے ہیں: ”و کتابہ فی السنن جامع جید“ (۲) (ان کی کتاب سنن میں جامع اور عمدہ ہے)

حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب، کتاب کی مذکورہ بالا خصوصیت پر تبصرہ کرتے ہوئے ”ہستان المحدثین“ میں تحریر فرماتے ہیں: ”وفی الواقع از حسن ترتیب و سرد احادیث و تکرار و اختصار انچہ ایں کتاب دارد ہیچ یک از کتب ندارد“ (۳) (اور فی

(۱) ہستان المحدثین ۱۱۴: (۲) تہذیب التہذیب: ۶۶۸/۹

(۳) ابن ماجہ اور علم حدیث، ص: ۲۳۱، بحوالہ ہستان المحدثین، ص: ۱۱۴

الواقع ترتیب کی خوبی اور بغیر کسی تکرار کے احادیث کا لے آنا اور اختصار جو یہ کتاب رکھتی ہے کوئی کتاب نہیں رکھتی)

کتاب کی دوسری اہم خصوصیت یہ ہے کہ اس میں بکثرت وہ روایات موجود ہیں جن سے صحاح ستہ کی دوسری کتابیں خالی ہیں، اس کی بناء پر اس کتاب کی احادیث بہت بڑھ جاتی ہیں، اور شاید یہی بنیادی سبب ہے جس کی وجہ سے متعدد ایسی کتابوں کے بجائے جو اس سے صحت میں بدرجہا فائق تھیں اس کتاب کو صحاح ستہ میں شامل کیا گیا ہے، حافظ سخاوی "فتح المغیث" میں لکھتے ہیں: "وقدموه علی الموطا لکثرة زوائده علی الخمسة بخلاف الموطا" (۱) (اس کو علماء نے موطا پر ترجیح اسی لیے دی ہے کہ اس میں پانچوں کتابوں سے بہت سی روایات زیادہ ہیں، بخلاف موطا کے)

صحاح ستہ میں ابن ماجہ کی شمولیت

اب اس پر سب متفق ہیں کہ سنن ابن ماجہ صحاح ستہ کی چھٹی کتاب ہے، لیکن تالیف کتاب کے بعد کئی صدیوں تک یہ مسئلہ ائمہ حدیث کے درمیان متفق علیہ نہیں تھا، سب سے پہلے جس شخصیت نے اس کو پانچوں کتابوں کے ساتھ شامل کیا وہ حافظ ابوالفضل محمد بن طاہر مقدسی (۵۵۵ھ) ہیں، جنہوں نے "شروط الأئمة الستة" اور "أطراف الكتب الستة" دو مشہور کتابیں تصنیف کیں، اور یہیں سے صحاح ستہ یا کتب ستہ کی اصطلاح پڑی، اس کے بعد بھی عرصہ تک کتب خمسہ کی اصطلاح چلتی رہی لیکن بالآخر اس پر اتفاق ہو گیا، مشہور مؤرخ ابن خلکان لکھتے ہیں: "و کتابہ فی الحدیث أحد الصحاح الستة" (۲) (حدیث میں ان کی کتاب صحاح ستہ کی ایک کتاب ہے) حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں: "و ابو عبد اللہ محمد بن یزید

ابن ماجہ القزوينی صاحب السنن التي كمل بها الكتب الستة والسنن الأربعة بعد الصحيحين" (اور ابو عبد اللہ محمد بن یزید ابن ماجہ قزوینی اسی سنن کے

(۱) فتح المغیث، ص: ۸۷ (۲) وفيات الأعيان: ۲۷۹/۴ (۳) الحواهر المضیة

مصنف ہیں، جس سے صحاح ستہ نیز صحیحین کے بعد سنن اربعہ کی تکمیل ہوتی ہے) حافظ عبد القادر قرشی رقمطراز ہیں: ”جب محدث کسی حدیث کے بارے میں صرف رواہ الشیخان یا رواہ الامامان کہتا ہے تو بخاری و مسلم مراد ہوتے ہیں، اور جب ”رواہ الأئمة الستة“ کہا جاتا ہے تو بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی و نسائی اور ابن ماجہ مراد ہوتے ہیں“۔ (۳)

صحاح ستہ میں سنن ابن ماجہ کا درجہ

ابن ماجہ اور علم حدیث کے مصنف محدث جلیل مولانا محمد عبدالرشید نعمانی تحریر فرماتے ہیں:

”یہ واضح رہے کہ دیگر ابواب صحاح ستہ کی طرح امام ابن ماجہ نے بھی اہل کتاب کی ترتیب و تدوین اور احادیث کے انتخاب میں بڑی جانفشانی اور عرق ریزی سے کام لیا ہے، متعدد جگہ غریب احادیث کی تفصیل دی ہے، مختلف بلاد کی جو مخصوص روایات ہیں ان کی نشاندہی کی ہے“۔ (۱)

آگے تحریر فرماتے ہیں:

”غرض امام مدوح نے لاکھوں احادیث کے ذخیرہ سے چار ہزار روایات کا انتخاب کر کے ان کو مختلف ابواب کے تحت پوری مناسبت کے ساتھ درج کیا ہے“۔ (۲)

انہی خصوصیات کی بناء پر تاریخ قزوین کے مصنف کا کہنا ہے ”والحفاظ بقرنون کتابہ بالصحیحین و سنن ابی داؤد و النسائی و یحتجون بما فیہ“ (۳) (حفاظ حدیث ابن ماجہ کی کتاب کو صحیحین، سنن ابی داؤد، اور سنن نسائی کے برابر رکھتے ہیں، اور اس کی روایات سے استدلال کرتے ہیں)

(۱) ابن ماجہ اور علم حدیث، ص: ۲۴۱

(۲) ابن ماجہ اور علم حدیث، ص: ۲۴۲ (۳) لتلوین فی أعبار قزوین، ص: ۷

اور حافظ ابن کثیر کے خود الفاظ یہ ہیں: ”وہی دالۃ علی علمہ وعملہ
وتبحرہ واطلاعہ واتباعہ السنۃ فی الاصول والفروع“ (۱) (یہ کتاب مصنف
کے علم و عمل، تجربہ، واقفیت اور اصول و فروع میں ان کے اتباع سنت کو بتاتی ہے)
ان ساری خصوصیات اور جامعیت کے باوجود صحاح ستہ میں اس کا درجہ سب
سے کم تر اس لیے ہے کہ اس میں ایک بڑی تعداد ضعیف روایات کی آگئی ہے۔

باب سوم

ماہ الامتیاز خصوصیات

حدیث کی کتابوں میں صحاح ستہ کو اللہ تعالیٰ نے بڑی مقبولیت عطا فرمائی، اور یہ ایک ایسی اصطلاح بن گئی جو زبان زد خاص و عام ہے، یہ چھ کتابیں گرچہ حدیث ہی کے مجموعے ہیں لیکن ان کے مصنفین نے ان کتابوں کی تصنیف کے لیے جو اپنے اپنے طور پر ترتیب قائم فرمائی جس میں ان حضرات کے اپنے مقاصد کا رفرما رہے ہیں، حالات و ضروریات کے پیش نظر انہوں نے ان کتابوں میں مختلف اسالیب ترتیب اختیار کئے، اسی طرح روایات کے اخذ و قبول اور کتابوں میں ان کے نقل و اندراج میں بھی ان حضرات کی مختلف شرائط رہی ہیں، یہی وجہ ہے کہ موضوع ایک ہونے کے باوجود ہر کتاب کا رنگ الگ ہے، اور اس سے پڑھنے والے کو وہ فوائد حاصل ہوتے ہیں جو دوسری کتاب سے حاصل نہیں ہوتے، اس باب میں خاص طور پر ان کتابوں کے الگ الگ رنگ کو اور ماہ الامتیاز خصوصیات کو پیش کرنے کی کوشش کی جائے گی، جس سے یہ اندازہ ہوگا کہ روایات کے تکرار کے باوجود اپنی اپنی جگہ ان کتابوں کی افادیت و ضرورت کیوں ہے؟

صحت روایت

صحت حدیث کا لفظ آتے ہی یہ بات عام ذہن میں پیدا ہوتی ہے کہ حدیثیں وہ

بھی ہیں جو صحیح نہیں ہیں، یہاں ایک بات ذہن نشین کر لینی چاہیے، اللہ کے رسول ﷺ نے جو کچھ فرمایا ہے یا کر کے دکھایا ہے، اس کا درجہ قرآن مجید کے قریب تر ہے، اور اس کو اسی طرح ماننا ضروری ہے جیسے قرآن مجید کو ماننا، آپ ﷺ کا فرمایا ہوا اور کیا ہوا اسی طرح صحیح اور قطعی ہے جیسے قرآن مجید کے احکام ہیں، البتہ ان باتوں کو نقل کرنے والوں نے جب نقل کیا اور یہ سلسلہ دراز ہوا تو ان نقل کرنے والوں کے اعتبار سے ان روایات میں کمزوری پیدا ہوئی، نقل کرنے والے اگر اعلیٰ درجہ کے ثقہ اور عادل ہیں، ان کی قوت حفظ میں بھی کوئی کمزوری نہیں تو حدیثیں بھی اسی طرح صحیح ہیں جیسے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے بیان کرتے وقت تھیں، اور اگر ان راویوں میں کمزوری پیدا ہوتی ہے تو اس سے روایتوں میں کمزوری آتی ہے، علوم حدیث کی ساری اصطلاحات اور تفصیلات راویوں کے مختلف حالات کی وجہ سے وجود میں آئی ہیں۔

صحاح ستہ کے مصنفین نے صحت روایت کا خاص اہتمام کیا ہے، اور حدیث کی کتابوں میں یہی سب سے اہم مرکزی نقطہ ہے کہ وہ کتاب صحت کے معیار پر کیسی اترتی ہے، صحاح ستہ کی اصطلاح بنی ہی اس لیے ہے کہ مجموعی طور پر ان کتابوں میں مقبول روایات نقل کرنے کا اہتمام کیا گیا ہے، اور اگر کہیں کوئی کمزوری ہوتی ہے تو اس کو بیان کرنے کی کوشش کی جاتی ہے، لیکن اس باب میں ان کتابوں میں ماہ الامتیاز بہت کچھ ہے، جس کو ذیل میں بیان کیا جاتا ہے۔

صحاح ستہ میں سب سے نمایاں مقام صحیح بخاری کا ہے، اس کو ”اصح کتب بعد کتاب اللہ“ کہا جاتا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ امام بخاریؒ نے اپنی کتاب میں صحت روایت کا جو اہتمام کیا ہے اور اس کے لیے سخت سے سخت تر شرطیں لگائی ہیں وہ دوسری کتاب میں نظر نہیں آتیں۔

علم حدیث کے ماہرین نے روایت کرنے والوں کے پانچ درجے رکھے ہیں: پہلا درجہ ان حضرات کا ہے جو ثقاہت و عدالت کے ساتھ قوی الضبط بھی ہیں،

اور کثیر الملازمہ بھی، یعنی ایک طرف ان کا حافظہ مضبوط ہے اور وہ سنی ہوئی یا لکھی ہوئی حدیث کو پوری طرح محفوظ رکھنے والے ہیں، اور دوسری طرف اپنے شیخ کے ساتھ انہوں نے طویل وقت گزارا ہے۔

دوسرا طبقہ ان لوگوں کا ہے جو عدالت و ثقاہت کے ساتھ قوی الغبطہ تو ہیں لیکن کثیر الملازمہ نہیں ہیں، اپنے شیخ کی طویل محبت ان کو میسر نہ آسکی۔ تیسرا طبقہ ان لوگوں کا ہے جو کثیر الملازمہ تو ہیں لیکن قوی الغبطہ نہیں ہیں، ان کے قوت حفظ میں کمزوری ہے۔

چوتھا طبقہ ان لوگوں کا ہے جو نہ قوی الغبطہ ہیں اور عدالت و ثقاہت سے خالی ہیں۔ صحاح ستہ کے مصنفین میں یہ خصوصیت صرف امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی ہے کہ وہ اپنی کتاب میں اصلاً درجہ اول کے لوگوں کی روایات نقل کرتے ہیں، دوسرے درجہ کے لوگوں کی روایات وہ بطور استشہاد کے ضمناً نقل کرتے ہیں، امام بخاری کے بعد امام مسلم کا درجہ ہے وہ اپنی صحیح میں ابتداء کے دو طبقوں کی روایات نقل کرتے ہیں، اور کبھی کبھی بطور استشہاد کے تیسرے طبقہ کی روایات بھی لے آتے ہیں۔

اس کے علاوہ بھی امام بخاری نے اپنی صحیح میں بعض وہ شرطیں لگائی ہیں جو امام مسلم نے نہیں لگائیں، اگر کوئی راوی شیخ سے روایت کرے اور اس میں سننے کی تصریح نہ کرے، اور ”عسن“ کا لفظ استعمال کرے تو امام بخاری کے نزدیک صرف معاشرت کافی نہیں ہے بلکہ دونوں میں ملاقات کا ثبوت بھی ضروری ہے، اس وقت روایت کو متصل قرار دیا جائے گا جب دونوں میں ملاقات ثابت ہو، امام مسلم نے صرف معاشرت کو کافی سمجھا ہے۔

انہی وجوہات کی بناء پر سخت سے سخت ناقدین نے صحیح بخاری کی جن روایات پر نقد کیا ہے وہ کسی بھی حیثیت سے ہو، صحیح مسلم کے مقابلہ میں ان کی تعداد بہت کم ہے، اسی لیے علمائے امت متفق ہیں کہ یہ کتاب حدیث کی کتابوں میں صحیح ترین کتاب ہے،

تاہم امام مسلم کی صحیح کو یہ خصوصیت حاصل ہے کہ انہوں نے اپنی کتاب کو صرف احادیث صحیحہ کے ذکر کے لیے خالص کر رکھا ہے، یہاں تک کہ انہوں نے درمیان میں عنوانات بھی قائم نہیں کئے تاکہ صحیح روایات کے علاوہ کوئی بھی چیز اس میں شامل نہ ہو، جب کہ امام بخاریؒ نے تراجم ابواب قائم کئے ہیں اور اس میں وہ روایات کے علاوہ اپنی آراء بھی ذکر کرتے ہیں، جس کی اپنی خصوصیت ہے، اور اس کا ذکر اپنی جگہ پر آئے گا۔

امام نسائی کا مرتبہ اس سلسلہ میں تیسرا ہے، اس لیے کہ وہ ابتداء کے تینوں طبقات کی روایات مستقل نقل کرتے ہیں، پھر ان کے بعد امام ابو داؤد کا نام آتا ہے، اس لیے کہ وہ چوتھے طبقہ کی روایات بھی بطور استشہاد نقل کر دیتے ہیں، امام ترمذی کی کتاب صحت کے باب میں پانچویں نمبر پر ہے، اس لیے کہ وہ چوتھے طبقہ کی روایات عام طور پر اور پانچویں طبقہ کی روایات بطور استشہاد کے ضمنی طور پر نقل کرتے ہیں، اور صحاح ستہ میں صحت کے باب میں آخری درجہ ابن ماجہ کا ہے، وہ عمومی طور پر پانچوں طبقوں کی روایات اپنی کتاب میں نقل کرتے ہیں، اور بعض روایات ان کی کتاب میں ایسی بھی آگئی ہیں جو موضوعات میں شامل کی گئی ہیں، یہی وجہ ہے کہ بہت سے ائمہ حدیث نے ان کی کتاب کو صحاح میں جگہ نہیں دی، اور دوسری صحیح کتابوں کو چھٹی کتاب کی جگہ رکھا، مگر سنن ابن ماجہ کے حسن ترتیب کے پیش نظر عمومی رجحان اسی کتاب کو صحاح ستہ میں شامل کرنے کا رہا ہے۔

جامعیت

مصنفین صحاح نے اس کا خیال رکھا ہے کہ ان کی یہ کتابیں مختلف اہم موضوعات کی جامع ہوں، اور کوئی اہم باب اس میں چھوٹے نہ پائے، لیکن اس سلسلہ میں بھی دو کتابوں کو خاص امتیاز حاصل ہے، ایک امام بخاریؒ کی صحیح اور دوسری امام ترمذی کی سنن، ابواب کی جامعیت و کثرت کے لحاظ سے ہی ان دونوں کتابوں کو جامع بھی کہا

جاتا ہے، ان دونوں کتابوں میں عقائد، احکام، زہد و رقائق، آداب، تفسیر، تاریخ، سیر، فتن، مناقب وغیرہ اور پھر ان کے ذیلی ابواب میں سے ہر موضوع پر حدیثیں جمع کی گئی ہیں، پھر ان دونوں میں بھی جامعیت کے لحاظ سے امام ترمذی کی سنن بڑھی ہوئی ہے، موضوعات کے احاطہ کے علاوہ ایک طرف امام ترمذی نے ایک موضوع کی روایات ایک ہی جگہ نقل کی ہیں، اور اس سلسلہ میں امام مسلم کا طریقہ اختیار کیا ہے، اس کے علاوہ انہوں نے فقہ میں امام بخاری کا تتبع کیا ہے، وہ مختلف احکام کے دلائل نقل کرتے جاتے ہیں اور اس کے علاوہ مسالک فقہیہ بھی بیان کر دیتے ہیں، حدیث پر حکم بھی لگاتے ہیں، روایوں پر کلام کرتے ہیں، اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ وہ ان ابواب پر خاص توجہ دیتے ہیں جن کی ضرورت معاشرہ اور فرد کی اصلاح میں زیادہ تر ہوتی ہے، خاص طور پر ”ابواب الزہد“ ”ابواب الرقاق“ ”ابواب البر والصلۃ“ میں جو تفصیل امام ترمذی کے یہاں ملتی ہے وہ صحاح ستہ میں دوسری جگہ مشکل سے ملے گی، جامعیت میں ان دو کتابوں کے بعد امام نسائی کا درجہ ہے، انہوں نے خاص طور پر بخاری و مسلم کے طریقوں کو جمع کیا ہے، اور علل حدیث کا بیان اس پر مستزاد ہے، صحیح مسلم کی اصل جامعیت یہ ہے کہ اس کے مصنف نے ایک موضوع کی روایات ایک جگہ جمع کر دی ہیں، اور سنن ابوداؤد میں اس کے مصنف نے ”ابواب الأحکام“ اس انداز سے جمع کر دیئے ہیں جو دوسری جگہ مشکل سے ملیں گے، یہ جامعیت کے لحاظ سے ان کتابوں کی خصوصیات ہیں۔

حسن ترتیب

اس صفت میں امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ کی صحیح سب پر فائق ہے، انہوں نے ایک موضوع کی روایات ایک جگہ جمع کی ہیں، اور ان میں بھی باریک فریق کو واضح کیا ہے، حدیث کا پورا متن ایک ہی جگہ نقل کرتے ہیں، اور روایت بلفظہ کا خاص اہتمام کرتے

ہیں، اور مرفوع روایات ہی اصلاً نقل کرتے ہیں۔

امام مسلم کے بعد امام ترمذی اور امام ابن ماجہ کو اس صفت میں امتیاز حاصل ہے، امام ابن ماجہ کی سنن صحاح ستہ میں اسی وجہ سے شامل کی گئی ہے کہ حسن ترتیب میں وہ دوسری کتابوں پر فائق ہے، اور اس کے حسن ترتیب کو دیکھ کر ہی ان کے استاذ حافظ ابو زرعدازی کی زبان سے یہ الفاظ بے ساختہ نکل گئے تھے کہ ”اگر یہ کتاب لوگوں کے ہاتھوں میں پہنچ گئی تو فن حدیث کی اکثر جوامع اور مصنفات بیکار ہو کر رہ جائیں گی۔“ (۱)

مولانا عبدالرشید نعمانی اس کے آگے تحریر فرماتے ہیں ”حافظ ابو زرعدازی کی پیش گوئی حرف بحرف صادق ہوئی، اور آج ہم دیکھ رہے ہیں کہ حدیث کی بہت سی کتابیں جو صحت اسناد اور جودت روایات کے اعتبار سے اس سے کہیں بڑھ چڑھ کر تھیں وہ قبول عام حاصل نہ کر سکیں جو ”سنن ابن ماجہ“ کو حاصل ہے۔“ (۲)

اس قبول عام کی سب سے بڑی وجہ اس کی جودت ترتیب اور اختصار ہے، اس خوبی کا تذکرہ تمام ائمہ نے کیا ہے، اس کی کچھ تفصیل ابن ماجہ کے تذکرہ میں گزر چکی ہے۔ امام نسائی کی سنن بھی حسن ترتیب میں ایک مقام رکھتی ہے، یہاں تک کہ حافظ ابو عبداللہ بن رشید فرماتے ہیں ”علم سنن میں جتنی کتابیں لکھی گئی ہیں یہ کتاب ان میں تصنیف کے اعتبار سے انوکھی اور ترتیب کے لحاظ سے بہترین ہے۔“ (۳)

سنن ابو داؤد، احکام کی روایات کا بہترین گلدستہ ہے، اور امام بخاری نے اپنی صحیح کو جن مقاصد کے پیش نظر تالیف کیا ہے ان کو سامنے رکھتے ہوئے کوئی کتاب اس کے ہمسر نہیں۔

(۱) ابن ماجہ اور علم حدیث، از مولانا نعمانی، ص: ۲۳۱

(۲) ابن ماجہ اور علم حدیث، از مولانا نعمانی، ص: ۲۳۱

(۳) ابن ماجہ اور علم حدیث، ۲۱۷ بحوالہ فتح المغیث للسخاوی

علوسند

علوسند کہتے ہیں سند کی بلندی کو، سند میں واسطے جتنے کم ہوتے ہیں سندا تھی ہی عالی کہلاتی ہے، محدثین کے نزدیک اس کی بڑی اہمیت ہے، چونکہ روایت میں واسطے جتنے کم ہوں گے اتنا ہی اللہ کے رسول ﷺ سے قرب ہوگا اور واسطوں کے کم ہونے کی بناء پر غلطی کا احتمال بھی کم ہوگا اور کم رواۃ کی چھان بین کرنی پڑے گی، یہ مختلف وجوہات ہیں جن کی وجہ سے علوسند کا ہمیشہ اہتمام رکھا گیا ہے۔

صحاح ستہ کے مصنفین میں یہ شرف بھی سب سے بڑھ کر امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کو حاصل ہے، ان کی صحیح میں بائیس روایتیں ایسی ہیں جن میں صرف تین واسطوں سے سند رسول اللہ ﷺ پہنچ جاتی ہے، ان کو ”ملائیات“ کہتے ہیں، صحیح بخاری کے بعد سنن ابن ماجہ کا درجہ ہے، اس کتاب میں پانچ ملائیات ہیں، ابن ماجہ کے بعد سنن ابی داؤد اور سنن ترمذی میں ایک ایک روایت ایسی ہے جس کی سند میں تین واسطے ہیں۔

امام مسلم اور امام نسائی کو کسی تبع تابعی سے روایت نہ ملی، اس لیے ان دونوں کی سب سے عالی جو روایات ہیں وہ رباعیات کہلاتی ہیں، یعنی ان سے لے کر رسول اللہ ﷺ تک ان میں چار واسطے ہیں، واسطے اگر پانچ ہوں تو وہ روایات خماسیات اور چھ ہوں تو سداسیات کہلاتی ہیں، صحاح ستہ میں رباعیات کی بھی ایک تعداد ہے لیکن خماسیات اور سداسیات بکثرت ہیں، اور متعدد روایات وہ ہیں جن میں سات آٹھ واسطے یا اس سے بھی زائد واسطے ہیں۔

تعداد روایات

تعداد روایات کے اعتبار سے بھی صحیحین کو سنن اربعہ پر فوقیت حاصل ہے، ”موسوعة الکتاب السنۃ“ کے اعتبار سے دونوں کتابوں میں روایتوں کی کل تعداد یکساں ہے، صحیح بخاری میں بھی یہ تعداد سات ہزار پانچ سو ترسٹھ (۷۵۶۳) ہے، اور

یہی تعداد صحیح مسلم کی بھی کل روایات کی ہے، البتہ صحیح بخاری میں کمالات کی تعداد بہت ہے، بعض بعض روایات کو امام بخاری نے بائیس بائیس جگہ نقل فرمایا ہے، اور اس سے مختلف استنباطات فرمائے ہیں، اس لیے کمالات حذف کرنے کے بعد ان کی روایات کی تعداد چار ہزار سے بھی کم رہ جاتی ہے، جب کہ امام مسلم کے یہاں کمالات کو حذف کرنے کے بعد بھی تعداد چار ہزار سے نیچے نہیں جاتی، صحیحین کے بعد روایات کی سب سے زیادہ تعداد امام نسائی کی سنن میں ہے، پھر امام ابو داؤد کی سنن کا درجہ ہے، پھر امام ابن ماجہ کی سنن کا اور امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کی سنن میں روایات کی تعداد سب سے کم ہے، اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ ان کے یہاں کمالات کی تعداد سو تک بھی نہیں پہنچتی، ذیل میں ان سب کتابوں کا نقشہ روایتوں کی تعداد کے ساتھ درج کیا جا رہا ہے۔

روایات کی کل تعداد

کتاب کا نام

۷۵۶۳

صحیح بخاری

۷۵۶۳

صحیح مسلم

۵۷۶۱

سنن نسائی

۵۲۷۴

سنن ابی داؤد

۴۳۴۱

سنن ابن ماجہ

۳۹۵۶

سنن ترمذی

تراجم ابواب

احادیث کے انتخاب اور اس کی ترتیب کے بعد جوہب کا مرحلہ بہت اہم ہے، ائمہ حدیث نے جوہب میں بڑی باریک بینی اور عرق ریزی سے کام لیا ہے، اور اس کو مستقل ایک فن بنا دیا ہے، ان میں اصحاب صحاح کے سرخیل امام بخاری رحمہ اللہ کا نام نامی سب سے نمایاں ہے، انہوں نے اپنی صحیح میں جوہب کا ایک نیا ڈھنگ نکالا ہے،

اور وہیں سے تراجم ابواب کی اصطلاح چلی ہے، عام طور پر تیویب موضوعات کی تعین اور تقسیم کے لیے ہوتی تھی، لیکن امام بخاریؒ نے اس کو صرف تفہیم موضوعات کے لیے ہی محدود نہیں رکھا بلکہ اس کو بڑی وسعت دی اور اس میں نہ جانے کتنے علوم سمودئے، صحت حدیث کے بعد یہ امام بخاری کی سب سے بڑی خصوصیت ہے، ان کے تراجم ابواب ان کے ذہن کی آفاقیت، ہمہ گیری، نکتہ آفرینی اور تفقہ پر دلالت کرتے ہیں، ”فقہ البخاری فی تراجمہ“ کا جملہ زبان زد خاص و عام ہے، اس کا مطلب صرف اصطلاحی فقہ نہیں بلکہ ان کا تفقہ فی الدین اور رسوخ فی العلم ہے، ان تراجم میں علوم فقہ بھی ہیں، علوم حدیث بھی ہیں، علوم قرآن بھی ہیں، اور علم کلام بھی، یہی وجہ ہے کہ تراجم ابواب بخاری مستقل ایک فن بن گیا ہے، اور اس پر علماء نے ہر دور میں کام کیا ہے، اور ان کی توضیح و تشریح پر بڑی کتابیں تصنیف کی ہیں، یہ شرف سوائے صحیح بخاری کے اور کسی کو حاصل نہیں ہو سکا۔

یہ بات امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے مقاصد تصنیف میں بڑی اہمیت رکھتی ہے بلکہ اکثر علماء نے یہ بات لکھی ہے کہ صحت حدیث کے اہتمام کے ساتھ امام صاحبؒ کا سب سے بڑا مقصد یہی تراجم ابواب ہیں، جن کے ذریعہ وہ ایک ایک حدیث سے دسیوں مسائل نکالتے ہیں، اور یہی استنباط و استخراج معانی صحت حدیث کے اہتمام کے بعد ان کا سب سے بڑا امتیاز ہے، اس سلسلہ میں ان کی دقت نظر نے ایسی باریکیاں دکھائی ہیں اور انہوں نے بعض ایسی دقیق باتوں کی طرف اشارے کئے ہیں کہ ان کو حل کرنے میں بڑے بڑے ائمہ کو بعض مرتبہ بڑی دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا ہے، اور تراجم ابواب بخاری کے فہم کو ذہانت اور وسعت علم کا ایک معیار سمجھا گیا ہے، یہی وجہ ہے کہ امام کرمانی کے قلم سے یہ الفاظ نکل گئے ہیں:-

”ان هذا قسم عجز الفحول البوازل فی الأعصار والعلماء الأفاضل فی الأمصار“ (یہ وہ قسم ہے کہ زمانہ کے بڑے بڑے مرد میدان اور مختلف علاقوں کے

بڑے بڑے علماء و فضلاء بھی وہاں تک پہنچنے سے قاصر رہے) لیکن ہمیشہ علماء زمانہ نے تراجم کی باریکیوں کو واضح کیا ہے اور اس پر ہر زمانہ میں مستقل تصانیف تیار کی گئی ہیں۔

صحاح ستہ میں امام بخاری کے بعد امام نسائی نے تراجم میں تقریباً وہی طرز و انداز اختیار کیا ہے جو امام بخاری کا ہے اور وہ اپنے استاد کے راستہ پر چلے ہیں، بعض مقامات پر دونوں کے تراجم میں بڑی یکسانیت ہے اور بعض بعض جگہ تو دونوں کے تراجم حرفاً حرفاً موافق ہیں۔

اس باب میں تیسرا مقام امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ کا ہے، جنہوں نے مختلف جگہ تراجم سے مختلف فوائد نظر کر کے ہیں، اور کہیں کہیں استنباط سے بھی کام لیا ہے۔

امام ابوداؤد کے بعد امام ابن ماجہ کے تراجم کو خصوصیت حاصل ہے، اور اس کی سب سے بڑی خصوصیت ان کا حسن ترتیب ہے، پھر مقام ہے امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کا اور امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب میں کہیں تراجم ابواب نہیں لکھے، تاکہ حدیث کے ساتھ کوئی دوسری چیز شامل ہی نہ ہو، امام ترمذی رحمۃ اللہ کو تراجم ابواب میں یہ خصوصیت حاصل ہے کہ انہوں نے جو تسہیل اس میں اختیار کی ہے وہ کسی نے نہیں کی اور اس خصوصیت میں ان کو اولیت حاصل ہے۔

تلقی بالقبول

کسی کتاب کی مقبولیت کی بڑی دلیل یہ ہے کہ اس کو ہاتھوں ہاتھ لیا جائے، اور ہر طرح اس کی خدمت کی جائے، اور اس سے استفادہ کیا جائے، اور استفادہ کو آسان بنانے کی تدابیر اختیار کی جائیں اس باب میں صحاح ستہ کیا روئے زمین پر کتاب اللہ کے بعد کوئی ایسی کتاب نہیں ہے جس کی اس طرح خدمت کی گئی ہو جو خدمت صحیح بخاری کی کی گئی ہے، حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ اپنے بلیغ اسلوب میں تحریر فرماتے ہیں:

”کتابوں کی دنیا میں انسانی کتابوں میں سے کوئی کتاب ہمارے سامنے ایسی نہیں جس کی علماء اور مصنفین نے شروع و حواشی اور تعلیحات لکھ کر ایسی خدمت کی ہو جو صحیح بخاری کی خدمت کی گئی ہے، شرح و تعلق ہی ایک ایسا علمی میدان ہے جس سے قدیم زمانہ میں علماء و مصنفین کی توجہ کا اندازہ ہوتا ہے اور یہ ایک ایسا قمر ما میٹر ہے جس سے کسی بھی علمی اثر سے علماء کا اہتمام معلوم ہوتا ہے جس کتاب کی شروحات و تعلیحات سب سے زیادہ ہوں وہ کتاب سب سے اہم سب سے بلند پایہ اور مشہور و مقبول سمجھی جاتی ہے، اور جس کتاب کی شروع و تعلیحات نہ ہوں اس کا کہیں کوئی چرچا نہیں ہوتا اور وہ پردہ خفا میں رہ جاتی ہے، زمانہ قدیم میں کسی کتاب کی مقبولیت کا اور منصب صدارت پر فائز ہونے کا بھی یہی پیمانہ رہا ہے اور اس پیمانہ کے اعتبار سے یقین کے ساتھ یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ صحیح بخاری کو پورے اسلامی کتب خانہ میں جو مقام ملا وہ کسی کو نہ مل سکا، مکانی رقبہ کے اعتبار سے دیکھا جائے تو ساری دنیا اس میں شامل ہے اور اگر زمانی رقبہ دیکھا جائے تو اس کی تصنیف کے وقت سے لے کر آج تک کوئی ایسی کتاب نہیں ہے جس کی شروحات و تعلیحات کی وہ تعداد ہو جو تعداد اس کتاب کی شروحات و تعلیحات کی ہے۔ (۱)

اس موضوع پر ایک جدید علمی مقالہ تیار کرنے والے عزیز مگرامی مولوی محمد اسامہ

ندوی نے جو تحقیق پیش کی ہے وہ درج ذیل ہے:

۱۹۳	شروحات
۱۰۰	تعلیحات
۱۳۵	حواشی
۷۶	تراجم

متفرقات میں اس پر جو بھی کام ہوا ہے خواہ اس کے رجال سے متعلق ہو، مستدرکات ہوں، مستخرجات ہوں، اور بھی جو کچھ اس کے متعلق ہو سب شامل ہے۔

شروح و تعلیقات وغیرہ کے علاوہ اس کی مقبولیت کی ایک نشانی یہ بھی ہے کہ خود براہ راست امام صاحب سے صحیح بخاری سننے والوں کی تعداد نوے ہزار سے اوپر ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

”جو شخص اس کتاب کی عظمت کا قائل نہ ہو وہ مبتدع اور مسلمانوں کی راہ

کے خلاف چلتا ہے۔“ (۱)

صحیح بخاری کے بعد صحاح ستہ میں جس کتاب پر سب سے زیادہ کام ہوا وہ سنن ابی داؤد ہے، اس کی شروحات و تعلیقات وغیرہ چالیس سے اوپر ہیں، صحیح مسلم گرچہ صحت میں صحیح بخاری کے قریب ہے، اور اس کی شہرت و مقبولیت کی دلیل یہ ہے کہ اگر روایت صحیحین میں ہو تو اس کو متفق علیہ کہتے ہیں، اور ان دونوں کی مقبولیت پر امت کا اتفاق ہے، لیکن اس کی شروحات و تعلیقات کی وہ تعداد نہیں جو سنن ابی داؤد کی ہے اس کی وجہ غالباً یہ ہے کہ سنن ابی داؤد میں احکام کی روایات زیادہ ہیں، جن کی ضرورت ہر خاص و عام کو پڑنی ہے، اس لیے اس کتاب کی خدمت زیادہ کی گئی، سنن ترمذی کا مقام شروح و تعلیقات کے اعتبار سے صحیح مسلم اور سنن ابی داؤد کے بعد ہے، البتہ حلقہائے دروس کے اعتبار سے شاید وہ سب سے زیادہ اہمیت رکھتی ہے، سہولت پھر جامعیت اور مضامین کی کثرت کی بناء پر ہر دور میں علماء و مدرسین نے اس کو ہاتھوں ہاتھ لیا ہے اور صحاح ستہ میں اس کو خاص مقام دیا ہے سنن ابن ماجہ کی شروح و تعلیقات بھی بیس سے اوپر پہنچتی ہیں، البتہ سنن نسائی پر کام سب سے کم ہوا ہے، اور اس کی شروح و تعلیقات کی تعداد شاید دس تک بھی نہ پہنچتی ہو۔

خلاصہ کلام

صحاح ستہ کے بارے میں مختلف حیثیتوں سے اوپر کلام کیا گیا ہے، ان سب کتابوں کو اللہ تعالیٰ نے بڑی مقبولیت عطا فرمائی، اور امت ہمیشہ ان سے فائدہ اٹھاتی رہی اور انشاء اللہ قیامت تک اٹھاتی رہے گی، ان سب کتابوں کی اپنی اپنی خصوصیات ہیں جو ان کو نمایاں مقام عطا کرتی ہیں، لیکن چونکہ بنیادی طور پر قبولیت کا معیار صحت حدیث ہے اس لیے ان کی اصل ترتیب وہی ہے جو صحت روایت کے ذیل میں بیان کی جا چکی، البتہ اپنی اپنی ماہ الامتیاز صفات کی بناء پر ان میں سے ہر ایک اپنی جگہ ضرورت ہے، امام سندھی رحمۃ اللہ علیہ کا جو مقولہ مولانا عمیم الاحسان صاحب نے اپنے استاذ کے حوالہ سے نقل کیا ہے وہ اس پر بہترین روشنی ڈالتا ہے وہ فرماتے ہیں:

”من أراد المطالب العلمية مع الصحة فصحيح البخارى و من أراد سرد الروایات مع حسن السباق والصحة فصحيح مسلم و من أراد كثرة الأحكام فعليه بأبى داؤد و من أراد الاطلاع على الفنون الحديثية..... الخ“

(جو صحت روایت کے ساتھ علمی نکات تلاش کرنا چاہے وہ صحیح بخاری میں دیکھے، اور جو صحت روایت اور حسن ترتیب کے ساتھ روایات کا تسلسل چاہے وہ صحیح مسلم کا مطالعہ کرے اور جو یکجا روایات احکام دیکھنا چاہے وہ سنن ابوداؤد دیکھے اور جو علوم حدیث سے مطلع ہونا چاہے وہ سنن ترمذی کا مطالعہ کرے اور جو خالص احکام کی روایات کا تسلسل بلند مطالب و نکات کے ساتھ دیکھنا چاہے وہ سنن نسائی کا مطالعہ کرے اور جو وہ روایات دیکھنا چاہے جو دوسری صحاح میں نہ ہوں تو سنن ابن ماجہ دیکھے) (۱)